تذکرۂ خندۂ گل

یعنی

اردو کے ظریف شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مؤلفہ

مولوی عبدالباری آسی

واقف (سلطان احمد) ۴۵۱

واہ ۴۵۲

واہ (وحید الحسن) ۴۵۲

وجاہت (وجاہت حسین) ۴۵۴

وحید ۴۶۱

وصل (محمد اسحاق) ۴۶۱

وفا (نو محمد عمر خاں) ۴۶۲

حرف ہا

ہاشمی ۴۶۴

ہائے وائے ۶۶

ہجر (پنڈت تربھون ناتھ) ۴۷۰

ہدایت ۷۵

ہرچند (عبدالکریم) ۷۶

حرف ی

یار (محمد رفیق) ۴۷۸

یاسمن ۴۷۹

یل (عبدالقادر) ۴۸۰

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

سنہ ۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا - مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے - تخلص آبرو تھا - خود نہایت مشاق سخن گو تھے - مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے - تذکروں میں جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے، اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہیں چلتا - ریختہ میں ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے - آزاد نے آبحیات میں لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص بہ مکھن سے دلی محبت تھی - آزاد کے علاوہ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا مظہر جان جاناں مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی - یہاں تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی - اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام میں ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا - بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ میں کچھ کہا ہو - مگر استداد زمانہ نے ہم تک نہیں پہونچنے دیا - البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا میں داخل کرنے کی اجازت دی - تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جو میں آگے

[illegible] نہیں ہے کہ پچھلے ان کو اس سے علیحدہ [illegible]

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ ان کے معاصر مرزا جانجانان نے
چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو مین یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ مین اک گانٹھ ہے ۔۔۔ آبرو سب شاعرون کی [illegible] ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو مین یہ شعر کہا

کیا کرون حق کے کئے کو کور میری چشم ہے ۔۔۔ آبرو جگ مین رہے تو جانجانان [illegible] ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا
شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔
انھین کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یار وہ خدمتگار خان خوجون کے بیچ ۔۔۔ ہے تو مستثنیٰ ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہین چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے
مین نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایہ عمر
بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ مین اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً
دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس مین۔ سیاہ کالا۔ اندھیرا۔ اُنکا
مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُن حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ
جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اسی مین جو
شعر یاد رہ گئے وہ لکھتا ہون اتفاق سے دیوان مین ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے
کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہین ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان ۔۔۔ لوگ کہتے ہین مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہین ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر
جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہین ہے کہ تمام دیوان مین ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یوں ہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے — کہ کالے سانپوں میں منا سا کھنکجورا ہے

خلافِ وضع ہے مرنا نہیں فرنگی پر — میں آبنوس ہوں دیتا ہوں جان نگی پر

دکھیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے — کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں — مجھسے کہتے ہیں تیرا کالا منھ

ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو — کالے پانی اتار دو مجھکو

اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ — مگر وہ بت سلونا سا لولا ہے

خال و خط اس کے رخِ روشن پہ — لال کملی میں کالے تل سمجھو

ترشروئی میں اُس کے موٹے ہونٹ — کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائے گا بت کافر — پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

ن چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بار مسی کا ڈالا ہے — میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

ہیں اُس کے روئے انور پہ — کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

ن کھینچی ہے زلف کی تصویر — ساتھ ہے میرے میرا کلوا بیر

ے کا نشان شیخ جی کا — ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا

شگوں تمھارے چہرے پر — باغ کی ایک کالی کویل ہے

سید ضمیر حسین نام ہے - اشاہ تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں
کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ
نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی افتاد طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کر دیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو اُن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی آغا صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا فیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب بیرسٹر لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہر حال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کی تصویر رنگین سے کم نہیں ہے۔

بیوی نے کس خوبی سے شوہر کو آیا کر دیا ‎ ‎ ‎ اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگے سے پیدا کر دیا

یہ کہتے پھرتے ہیں ہر جا یہ طالب ووٹ ‎ ‎ ‎ ہمارے قبلہ و کعبہ ہیں کاشتکار نہیں

دل غریب کو لیجے پھیر دیہاتی کی بیٹھک ‎ ‎ ‎ کہیں اٹھا نہیں دل مرا بار نہیں

میں نے از بس کہ نہ تھی مشکل بہت ستم ایجاد کی ‎ ‎ ‎ یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھسے جب بس میں رونا آگیا ‎ ‎ ‎ بک دیا[۱] غالب نے کوئی لے نہیں فریاد کی

آگ دیکھکر پھونکتے بھی بچتے بچا اچھا ہوا ‎ ‎ ‎ آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح نام

[۱] غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ؎ فریاد کوئی لے نہیں ہے ‎ ‎ نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں۔

ایک بڑھیا سے ہنی کی یاری	ساری دنیا میں ہو گئی خواری
رات کو اُس کے پاس جب لیٹا	بولی "چپ ہو کے سو رہو بیٹا"

آس۔ یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے۔ مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا۔ سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعرا شریک تھے صفی۔ محشر۔ عزیز۔ ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے۔ چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا۔ اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ مگر چونکہ ان کو حسب خواہش داد نہ ملتی تھی اس لئے ان کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب یہ خیال انکا صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکائے معیار [illegible] ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ [illegible] مرتبہ بنایا گیا۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ اہل قلم تھے [illegible] اعتراضات کرنا شروع کئے۔ اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیئے [illegible] کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اسی کے [illegible] جز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

[illegible] نہ دانند بہ دانند مرا	ستایش کند تا تواند مرا
[illegible] پہلواں آس پُر دل منم	بہ گردان معنی مقابل منم
[illegible] من جملہ اندا ختند	رمیدند و مردند و دل باختند

هلاکو نژادان بد ریم ما — پئے بزدلاں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم — نہ یزداں کہ در کیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم — منم طعنہ بر مصحفے میزنم
بلے ہیچو من نیست اندر جہاں — ہنر پرور یانم ہنر پرور زیاں
نماید اگر ذرّے من ہیچو قیر — بدل یاس را دیدہ دوزم بتیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس — بود در دلِ کافراں جائے یاس
دلِ کافراں ہیچو دوزخ بود — کہ دوزخ پئے یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو — تفو بر رخِ یاس انیک تفو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لُہار
اور بدایوں کا رہنے والا تھا - محمد عمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوئے -

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم — کاندھے پہ لئے پھرتا ہے چھپر کبھی واں ہے
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی — اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا دیکھ کر لو

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا
شمول اور شمار نہیں ہو سکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں
لہذا ان اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے
بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی
بعض جگہ خود ہی تفصیل کردوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تخیل پر چھوڑوں گا -
میرا مولد و مسکن قصبہ آلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی
بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدہٗ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعد ازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۹۰۸ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق ۱۹۱۰ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل ویدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی کہی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کردوں۔ مگر بیکار ہے۔ شمند رشانتا ناول چار حصہ یہ ا[illegible] ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول وتی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعر اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جاچکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زاغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ میں پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اُردو۔ غالب کے اُردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سر ودے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اُردو فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اُس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے مولد ومسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں سنہ ۱۹۱۰ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں سنہ ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد ــــ

دلکشنی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولنا سید ابو الحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو اب تک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقے نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنفض ہو جاتا ہے۔ سُننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اُس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانۂ حیات میں لگایا جا سکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیًا منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دلپر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اِدھر اِن مدعیان بیخبر کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجا کر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ اِن لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تاآنکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ تھا جسکو دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جس میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ ادائے بیجا بانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی اوصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر اِن مذکورۂ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ رائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

ہین ہین غزل کہنی شروع کیں - اورحتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا درد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں - اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں - مگر حاسدان بد بین کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے - تا اینکہ اب برا بھلا کہتے ہیں - مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذالک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہوکر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا -

احباب کی شکایت بیجا ہیں کیا کروں — میرے ہنر کو ہے ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں -

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں — ہاں مگر ڈرتے ہیں سب جس سے یہ وہ ہمت نہیں
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا — جج نے تو یہ کہہ دیا جاسے ہمیں فرصت نہیں
ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی — پا پیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالا ہو نہیں سکتا — کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں — ٹپ ٹنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا
مرے سوز دروں کو مجھ سے سنکر ڈاکٹر بولا — کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا
ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی — چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے — ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دو نامیوں میں — پائجامہ جذب ہو کر رہ گیا تپلون میں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی — دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہو گُن دیتا بائی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چھکے نہ اب آپ کھایئے — ہوٹل میں رہیئے اور مٹن چاپ کھایئے

جن کو ورا زیِ شبِ غم کا گلہ ہے کچھ — بنگالنوں کے جا کے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہو اگر طبعِ ظرافت سنج میں — دیکھ لے جا کر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اُسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلافِ مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا — اتحادِ قوم چولہ چولہ کا مربا ہو گیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے — کہتے ہیں جسکو جیل وہ لیڈر کو کھیل ہے
لیڈر نہیں ہیں کہیے انھیں ترجمانِ قوم — انکو انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول — کیک دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو — کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعرانِ نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں — جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں
ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں — وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں — شیخ بیچارہ تو آسی مفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے جھتے بزرگوں سے — مگر بدقسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جورو — مگر میرے نزدیک دونوں بچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں — یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا — بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور ہر دم ہے — سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اسپیچ — جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر — شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا — قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہو جوش ادھر شانتی بھی ہو — اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم خر ہیں — اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہیے کہ حضرتِ ناصح — آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

میرا اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصح شفیق — ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے
وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم — کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے
اس سے بچو اچھے ہیں اغلاط کہ وہ قولِ کفر — وار دنیا تو ہمیں النسانے بند کر دیا
کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تو — چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو
اے شیخ تجھکو حالتِ جنت سناؤں میں — دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھ دے جریب تو

آشفتہ — عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے قائم چاندپوری سے اردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض "ریاض عنبر" ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۳۲ھ تک بقیدِ حیات تھے۔ آخر وقت میں مرادآباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بنگئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

شرارت کتنی بھری ہرجائی کی ایک ایک لٹ میں — ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں
کوئی تو جا کے ایسے مُنڈے سے اپنے جی کو الجھائے — مری انگیا گئی ہوتی ابھی تو چاکھسوٹی میں

آشوب — یعقوب علیخاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند
آشوب ان کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے — اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر — کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے موئے کے — کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیرے لگے ہیں — بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

انگریس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب ۔ میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے ۔ نہایت مسخرا ہے ۔ پوچ بے معنی شعر کہتا ہے ۔ خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اسی کا ہے ۔

در عشق تمے جیوڑی بیست مچا پچ ۔ یہ پھرکی وہ دنتا یہ غچ وہ غچا غچ

اٹل ۔ تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے ۔ میر جعفر زٹلی کے معاصر تھے ۔ کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا ۔ نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے ۔ ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی ۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا ۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے ۔ لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی ۔

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجب خلط مبحث سے کام لیا ہے مثلاً بیت فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ۔ حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں ۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کو دہلوی لکھا ہے ۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے ۔ کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے ۔ اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے ۔ میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے ۔ مثلاً ۔ پناہ ٹلائی دچوٹائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر روز از دبا و میالی سکھی باشند ۔ از سدا اٹل بعد از دہینگ و جوہار بہت و بسیار ۔ ومنہ ہار بشیارا و جھل و مخفی نماند ۔

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کر کے بھیجدوں گا دوایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفاے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا نہ گزر کیا ۔۔۔ جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھے خفا ہو گئے ۔۔۔ بات بیتے کی جو سنی کھو گئے

اُجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمن نام تھا۔ دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور رؤسا اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعر اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے سیاں وقت سحر گاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحر گاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں - فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا -

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد   خواب سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے - اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے - شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور ان سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی - ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا -

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا   جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے - اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں - تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے - بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا - اور کچھ درماہہ معین تھا - ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا -

صید ماہی و صید دل شاہا   خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جال ہوں اور شکار مچھلی کا   یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے   وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے   صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے عزیز احسان قلعہ میں آ جا نہ سکتے تھے - سلام مجرا سب بند تھا - آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کرکے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں ۔

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں — کیا گیا میرا مگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہ ہو — سن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احساں — خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہ ہو — قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا ۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں ۔ تمکنت ۔ غرور ۔ خودداری سے نام کو نہ تھی ۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اور تا حین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۱ھ میں پچاسی برس کی عمر پا کر انتقال کیا ۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا
ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں ۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

قاضی نے گناہوں کی حرمت سے کہا تو نہیں — لیکن بڑی ذلت ہے رشوت کا پچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں — مانگ اپنی دکھا جانا چٹکی کو بچا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو اے سیمیں — جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آجانا
دلا دو زلف سے دل ورنہ سب کہتا ہوں — کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تیسرے مہینے — ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح
نہ چھوڑ زر وجہ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص — اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
ڈھونڈھتے پھر شکم ہیں سادات و دولت کو ہم — یاں تو دو ورق کی بڑی ہیں رسیں کیسے وہاں جنت کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ — آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور — اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم
خفا مت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں — مرا سنر رہے آستانے بہت ہیں
شکم پرور قیامت کو پچھتائیں گے میں جانتا — کہ دوزخ لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں
وہ کبھی یوں مجھے اک ماہ میں لے ماہ تردد — وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان - احسان علی نام ہے۔ مجتبیٰ باغ لکھنؤ میں قیام ہے۔ تجارت و حرفت سے کسب معاش کرتے ہیں۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے۔ دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ استعداد علمی معمولی ہے۔ اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ غزل کبھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں۔
نمونہ ظرافت یہ ہے۔

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے — آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے
آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار — اب مسیحائی میں رہا کیا ہے
پیچ رچ دکھلا کے مجھے کہتے ہیں — یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے
دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے — تو جی کیا اور مانگا کیا ہے
سن لیا ہے جو نام احساں کا — کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے
جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی نہیں پر — اچھا سچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر
یہ کالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پر — حبشی بچوں نے ڈیرا کا ڈالا ہے ملک چیں پر
آزادیوں کا تم کو گر شوق دیکھنا ہو — نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر
تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم — یوں حاشیہ چڑھایا ہیں نے چنال چنیں پر
مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا — اونچی کبھی ہیں کہیں پر نیچی کبھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں افیمی پینک کا رنگ دیکھا — ٹانگیں ہیں آسماں پر اوندھا ہے سر زمیں پر
مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب — آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی دسیلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں — جورو بھی مالدار کرتے ہیں
رنڈیہ مکھی پکڑ کے کہتے ہیں — یوں شکاری شکار کرتے ہیں
کیا زمانہ بہادری کا ہے — مرد کو مرد پیار کرتے ہیں
آپ کے باپ کا اجارا ہے — ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں
مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں — اب وہ الٹا سنگار کرتے ہیں

ترقی التلو انزانے اتنی کی زمانے میں — کہ عطاروں نے بیٹھے دیدیے آلو بخارا ونیں
اکڑ کر بیٹھتا ان کا گدھے پر صاف کہتا ہے — سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہو گئے ہیں شہسوار ونیں
کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں — وہ کیا شے ہے جو مرجھائے تو بن جائے چھوہارا ونیں
نکل آئے ہوا سے احساں ادھر تو ذائقہ چکھ لو — غذائیں اچھی ملجاتی ہیں اکثر پردہ دار ونیں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہوگیا — ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہوگیا
پھانسا ہے مرغِ دل کو موئے دامِ زلف میں — اب تو وہ رشکِ حور چڑیمار ہوگیا
بچھوں بچھوں سے کیسے تہرہ کیا آپ غیر کا — نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہوگیا
احساں رہیگا جو ہوں سکا یہ وہ ٹوٹکے سر — گر غیر کو پلیگ کا آزار ہو گیا

کچھ غم نہیں جو زخمی پھیرا نامہ بر مرا — اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہوگیا
چپکا لگا کے آیا ہے رو سے صبیح پر — اب تو وہ ماہ اختر مدار ہوگیا

جواب صاف بزازوں کو ہر اک حل سے ملتا ہے ۔ کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراقِ جاناں ۔ جسطرح ماہ ستمبر سے تو مسیر نہ ملا
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا ۔ جنتری ہی میں ہمیں ماہ دسمبر نہ ملا
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلاتِ حسان ۔ پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے ۔ اکبار پھر چلو ذرا کولا اچھال کے
تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے ۔ کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے
ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے اداپڑہ ہی ۔ اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے
بعد مہ صیام تو کیوں خستہ حال ہوں ۔ کھائے ہیں میں نے روزِ عید ٹکڑے بہال کے
دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ ۔ لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آ ہی گیا جذبِ محبت کا ۔ میاں نے اہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا
لڑکپن میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا ۔ کھلونا ڈھونڈتے پھرتے ہیں بی لیلیٰ کی صورت کا
مکانِ دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسے دل سے ۔ ہوا ہے شوق اُنکو جیسے عاشق کی مرمت کا
میاں مجنوں نے اے جان سنتے ہیں کہ رحلت کی ۔ صفا چٹ ہو گیا میدان صحرا سے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرتِ شمشاد کا ۔ ہو قلم کالی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

.....

جرمنی گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام ۔ آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنعخانہ میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی - مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا ۔۔۔ بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام مے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ ۔۔۔ غیروں کو بہم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کئے ۔۔۔ لڑھک گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مصطفےٰ خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالبًا فی زمانہ وہی ذریعۂ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جابجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - سنہ ۲۱ یا ۲۲ ۱۹ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہو گئی اسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کر کے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں ۔۔۔ کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے بیٹھے ہیں باؤس — خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
کہتے ہو کہا جائینگے کیجا ترے دل کو یہ کیا — وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں — پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمھاری خاطر — مرقد کی فکر کیا ہے جا ہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ پلٹنے کی سکت — آہ لائی ہے کہاں حسرت دیدار مجھے
ہیں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر [illegible] — دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا — وہ ناحق کرسیوں پہ بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں ان میں — مسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ — بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بندر ہے
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے — کہ میری آہ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح حال — ہیں گدھا تھا شیخ کے پاس آکے خچر ہو گیا
یہ ترے دہن کی ہے مہک یا بت بدخو — بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے — اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے
[illegible] عدو کو شہر میں لیکن مجھے — گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے
[illegible] عدو کی سستی اعصاب عشق — روغن زرنیخ و سم الفار رہنے دیجئے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر　　اُسکو کارڈ بھیجدیجئے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتقائے خاص کے بھی نیچ جی　　بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوئے
ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار ہی　　دو مہینے ہوگئے ظالم کو ٹرخاتے ہوئے
ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل　　فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

گُلِ عارض پہ تیرے بلبلِ شیدا کی طرح　　ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں ہوا

چمن جب نذرِ صرصر ہونے والا ہے تو اے بلبل　　یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تو نے بنائے ہیں
وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو　　خدا کا شکر ہے کالج میں سب فسٹ آئے ہیں
مزا لوٹا نہیں گلچیں نے باغِ محبّت کا　　ابھی تک آپنے اے جانِ من کوّے اڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کردے　　مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کردے
وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا　　جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کردے
دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ　　وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کردے
وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں　　الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کردے

جب کوئی اونٹ دیکھتا ہے قیس دوانے　　چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے
....　　........................
....　　........................

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرا لینے کی عادت ہے ۔ ڈکیتی پر بھی آجائینگے وہ شاید جواں ہو کر
مرا دل اور انکی آرزو یوں ہیں بہم گویا ۔ رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہو کر

اک پردہ نشین جیب سے کرایہ پہ ہے اسمیں ۔ رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کسدرجہ پشیمان ہوئے ہیں وہ سرِ بزم ۔ پاجامے میں اتنا بھی نہ یو دا ہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں ۔ اک پیالی چاے کی حسرت بھی ابتک دل میں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار ۔ نوبت آئے گی ہاتھا پائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں ۔ لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہائے تقریبِ وصل کیا ہو گی ۔ اُن کو عادت نہیں مٹھائی کی
مُنڈ گیا جا کر اُن کے کوچے میں ۔ کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی نے ۔ کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا ۔ گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں ۔ نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دورِ سبو ہے اور وہ یوں بے نشان ہے ۔ گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھا کے غیر وفادار بن گیا ۔ ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر ۔ یا جی کدھا سور تو مقرر بنا ئینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گر یہی　　حلوا فروش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل پہ مار و عدو کو　　یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں　　میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
چلے کالج سے پہونچے کونسل میں　　ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا　　یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا
کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے　　تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا
وہ مرگ غیر پہ اظہار غم کریں کسطرح　　کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہو کے ارزاں سچ یہ ہے　　سیب جیسی چیز کو ہم نرخ شلجم کر دیا
کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری　　کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کر دیا

حرص کوثر ہو تو دوزخ میں جلوں اے ساقی　　مجھ کو کچھ اور نہیں چاہیئے کنٹر کے سوا
اور بتا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا　　حضرت بوٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا
بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوۃ　　شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے　　شب لیلۃ القدر کی رات ہے
وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح　　جو دیکھے یہ سمجھے مسمات ہے

جاگیر نجد کام ہی آئی کہ آخرش　　مجنوں کا خاندان زمیندار ہو گیا

لکنت نے خوب کام بنایا دم وصال ✓ انکار کرنے والے تھے اقرار ہوگیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں کچھو مگر
شاعری مجھکو کر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم واستبداد کا
خوب اُلّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پیسنے آئی ہے تربت میں مجھے سختیِ گور
لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہوجاتی مگر
ہے چڑیاروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مستِ خرام ناز ہیں
یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں
دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

اُنکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم
کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ گر آتے جو وہ شیرینیِ لب
ہم بھی شیرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم
آپ ہی کہیے گذر کس طرح ہو تقلیلین میں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ
کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال
خیر گزری جا ہنے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں
ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

ہم اور عرض مطلب آنسے عدو کے گھر میں ۔۔۔ دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں
ہیں یاس و حسرت و غم فکر دل و جگر میں ۔۔۔ ان بالشتیوں تکوں سے ہے ملک جاں خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں ۔۔۔ نکلا اک آنکے گھر سے پہونچا اک آنکے گھر میں
غربت میں جو میسر ہو جاوے ہے غنیمت ۔۔۔ گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہے کیا اگر میں

کل ملیں تو شاید ملے ہو رہ محبت ۔۔۔ ہر راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں
کل قصد ہے جو ناصح تشریف آوری کا ۔۔۔ پسوا کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

. . . . ۔۔۔ . . . .

سا بوسے میں ہے ملاحت گالی میں ہے حلاوت ۔۔۔ کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

. . . . ۔۔۔ . . . .

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا ۔۔۔ مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہے گنج سر میں
کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا ۔۔۔ اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں
کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے ۔۔۔ چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپ کے روز قبلہ جاتے ہیں آنکے گھر میں

اسد۔ جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے نہ معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں ۔

اٹھتا پردہ بس اب آزادیاں بڑہتی ہیں ہوا انکی ۔ یہ ہے تاثیر یورپ کے ہیولئ فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیرت سے میں نے کہا اوں ہونہہ ۔۔۔ بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی

جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے ۔۔۔ سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلفِ پریشاں کی

سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توند اپنے خنجر سے ۔۔۔ ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی

نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر ۔۔۔ ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی

نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا ۔۔۔ چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی

نبی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلادو ۔۔۔ چڑھو ممبر کے اڈے پر بنا کر شکل ٹیاں کی

وکٹ تھامے لئے پھرتے ہیں میدانِ فضیلت میں ۔۔۔ ترقی تیز سیڑھی ہے یہ اطفالِ دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تیئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہارِ کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفننِ طبع کے لیے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے ۔۔۔ اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمیٹرس ۔۔۔ مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھینڈس

وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں ۔۔۔ ٹمٹم ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ پلینس

مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہونہہ ۔۔۔ ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس

وہ اوڑھے دوپٹا ہیں باندھے ہوئے صافا ۔۔۔ جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

آؤ میں نے تجھے بنایا ۔۔۔ مجھکو کمرسٹ خطاب دیدے

رکنا کرتا ہے سخت نقصاں　　　جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے گا

....　　　.................................

کیا بتاؤں میں تمہیں حال رخِ یار ظالم　　　خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چپتیں کھائی پڑیں حجامت پر　　　سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں　　　سنکھیا کھا کے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا　　　نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں　　　حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے　　　میں ہوں داماد بکرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل ۔ آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں ۔ آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں ۔ علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے ۔ مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم ورواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے ۔ مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی ۔ حالی مرحوم اور مولانائے مذکور کا ایک رنگ ہے ۔ بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں ۔ آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

[illegible] اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا [illegible] کیا - آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آے تھے مگر با وصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا - اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے - تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا - آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں - اور ایک کلیات نظم یادگار ہے -

آپ نے ایک قصیدہ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے - یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے - جس میں نصائح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے -

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار
یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار

کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ
گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار

تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے
اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار

ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا
ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار

جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سر تاکا
دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار

عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی
نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھکر چکر
کھڑا ہے ایک لئے سینہ لڑ رہا ہے گوار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے
مٹے ہوے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں
نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت بیکار

کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی
کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دل سے نثار

جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر
میں اس سے بڑھ کے بتاؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت ‏— کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انہیں مضموں ‏— سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ ‏— کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشقِ زار
تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ ‏— کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سوسو بار
کمال اپنا سمجھتے ہیں خود ستائی کو ‏— نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار
جو اپنے فخر یہ آئیں تو بس کریں تسخیر ‏— حدود ہند سے لے تا بہ فارس و تاتار
ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا البتہ ‏— پڑا ہے نیم کا پتہ اور اسپہ پشہ سوار
وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے نا خدائے جہاز ‏— اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ ذخار
اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر ‏— سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار
کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن ‏— وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں درِ شہوار
جو ان کے دیکھیے دیوان تو بھرے لڈو ‏— غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار
وہی ہے شاعرِ غرا جو بے تکی ہانکے ‏— یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار
یہ انکی طبع بلند اور معنی رنگیں ‏— جو طبع گیر ہے تو معنی سڑا ہوا مردار
نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی ‏— غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار ‏— ستم شعار دل آزار بے وفا مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ مُنہ رہا نہ کمر ‏— بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار
یہ آپ کے گل عارض دہی ہیں باسی پھول ‏— پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار
جو ٹون ہال کی محراب ہے خمِ ابرو ‏— تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا ‏— بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہو گا بیڑا پار

شبِ فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر ۔۔۔ تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو پہ پنچی بلبل ۔۔۔ وہی ہے سرو کا ٹھنٹھ اور طول قامتِ یار

غریب شیخ پہ ہر دم وہ لتیاں جھاڑیں ۔۔۔ کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخ پیر تو مدت سے شاہدوں کا پیر ۔۔۔ یہ کوستے ہیں اُسے یہ مریدِ ناہنجار

جمالِ یوسف و اعجاز عیسی و موسی ۔۔۔ ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب ۔۔۔ یہ اُن کی تو رہی شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا ۔۔۔ اور اُن کی بندشِ مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون ۔۔۔ بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا اور وغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن ۔۔۔ چپک رہا ہے لبوں پہ جو شیرۂ گفتار

لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ ۔۔۔ لگا دیں گند سے کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حورانِ خلد سے نسبت ۔۔۔ بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار

جب اتّہ ہوتے ہیں مضمون مبتذل وارد ۔۔۔ تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار

کریں جو مدح کسی چپڑ گنے کی وہ بالفرض ۔۔۔ تو پھر سکندر و دارا ہیں اُسکے باج گزار

بنائیں اُسکے تئیں بر و بحر کا سلطاں ۔۔۔ جو فی المثل ہو کوئی کور دہ کا نمبردار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے ہتے لبیا ۔۔۔ لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹیٹی مرغ ۔۔۔ لہو لہان ہیں پنچے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج استادِ زماں ۔۔۔ کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑہ لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل ۔۔۔ تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے ۔۔۔ جہاں کہ ڈاٹے تھے یہ بھانڈ کاغذی ہتھیار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی

اب ایسی کاٹھ کی الّو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر ۔۔۔ کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے ۔۔۔ گیا ہے قافلہ دور اور ٹٹولتے ہیں عِذار
وہی قدیم زمانہ کا "فلسفہ ارسطو" ۔۔۔ ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھئی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی ۔

اسلامت کا حصہ تھا اگر نام و نمود ۔۔۔ پڑھتے پھر اب اُن کے مزاروں پہ درود
کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے ۔۔۔ یا اتنی ہی پونجی بہ رم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیانِ اسلام ۔۔۔ جب بیع مساجد سے نہیں چلتا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو ۔۔۔ جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بے کار نہ وقت کو گزارو یارو ۔۔۔ یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو
برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم ۔۔۔ کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز ۔۔۔ سب کرتے ہیں دندانِ ہوس اپنے تیز
پڑھتے ہیں مگر علوم انگریزی سے ۔۔۔ گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا - ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبداللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی - اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا عبداللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب بھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرنے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور نہ درد و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر — از ملک فنا سوئے بقا کرد گزر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرم — اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت بُرا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما — زیں اشتہائے بیحد و مالا کلام ما

با ماکسے چگونہ زند لاف پرخوری — کایں سکہ را زدند در اول بنام ما

گر روزی تمام خلائق کنند جمع — گردد غذائے مختصر صبح و شام ما

آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است — سرپوش کوچکے است بہ قاب طعام ما

قنّاو راتہ ما برساند کسے سلام — ق — وانگہ ز روئے لطف بگوید پیام ما

چوں ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شمات — دور از مروت است بود تلخ کام ما

از فیض عام شربت تاریخ عافیت — پیش از سکنجبین بجہان شد قوام ما

از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب — سوز سمندری کہ کند قصد بام ما

مشکل کہ روز حشر برآریم سر ز خاک — تا بوئے قورمہ نرسد در مشام ما

بوئے نرسد شام ز قورمہ بمشامم — گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را

گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق — یک لحظہ کنم کشف دو صد راز نہاں را

گر یک دو سہ نانے بکف آرم بمجرم — صد پارہ کنم گوں رن شمر دشمناں را

دستم مزن بر دل دگر از درد و جوعم در گرہ — دیگر میا و در فغاں ایں طبل بے ہنگام را

پیش من گر نهند حلوا را   میخورم ہرچہ ہست یکجا را
سرو از پا نشیند ار بیند   قامت قند سرو بالا را

....

یک شتر از خربزہ کو تا کہ برہانم کنوں   از کف ایں ساربان ایدل مہار خویش را

کو شخص کریمے کہ دریں موسم سرما   ہر صبح سلیخے بہ گزارد بہ بر ما
از بوے خوش قرمہ فزوں مست و خرابیم   از محتسب شہر چہ اندیشہ چہ پروا
در چین و خطا رفت حکایت جفاہاں   بر قاب پلو دست کشادم چو بہ یغما
نان تنکم ہست بیارید کبابے   کیں جامہ بود در خور آں قامت رعنا
یک بیضۂ مرغے نہ بود در ہمہ عالم   شاید کہ بجوئیم ز سر منزل عنقا
شب تا بہ سحر باشدم از فرقت انگور   از دیدہ بدامن ہمہ دم عقد ثریا

گوز پختہ اگر شام خورم نوبت صبح   یاد گوزرم ہم اندر شکند سندان را
اگر از نقل بسازند مرا زنجیرے   ہمہ عمر بجاں می طلبم زندان را

تنہا ز بوے کلہ نہ از پا فتادہ ایم   کز سر برید رشتہ است بیکبار ہوش ما

تمام سال خورم حسرت شب رمضاں   از انکہ از دل و جاں مائلم زلیبیا را
بہ روزگار چہ ما ہر کہ بے مربی بود   نہ برد لذت شیرینی مربا را
دو صد ہزار فدک میدہم شمردہ اگر   دو دانہ زر فدک آورند خرما را

گرچند روئی سیر و پر میخورد می انجیر را / از قوت بازو بهم بشکستی زنجیر را
دم از هز عفر می زند در پیش ما تا قابلے / کز بانگ خر نشناخته زیر و بم کفگیر را

.... / ....

سگی که گندم شش دانه ام بود در جیب / بعینه در نظرم روز عید نوروز مراست

خلق را گر همه رغبت به پنیر میش است / بیشتر میل دلم با کرهٔ گاومیش است
به ضیافت به برد شام گرم همسایه / آشنائے است که بهتر ز هزاران خویش است
لاغر از کوفته گاو چه گردد فربه + / شیر در عرصهٔ هیجا به برش چون میش است
خاک وجود ما ز ریشگافند تا بحشر / هر چند جستجو شود از قورمه آرزوست
آنکس که قانع است بیوسے طعام ما / از خاندان آدم خاکی فرشته خوست

با حرمت است نزد قرم سید القرم / چون نزد ما کسے که ز آل پیمبر است
هر کس که هر شبم به ضیافت صدا زند / در نزد من به رتبه چو سلمان بوذر است
زردک هر آنکه سیم رخان میخورد مدام / زرد و ضعیف و تنبل و رنجور و لاغر است
هر کس که خورده پیاز فراوان بروز و شب / او در جماع با خر مصری برابر است
روغن ندانی آنکه چه پروے عدس نکوست / این نو عروس زشت سزاوار زیور است

.... / ....

اسپ را دادم و خربوزہ گرفتم خوردم　　حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید　　گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چوں صباح پیالہ خورد اگر کس توت　　نہیند و بجہان بیرد عاجز و فرتوت
کفن درم بپرد ز زندگی نہ سر گیرم　　ز بد اگر شوم بوز رخنۂ تابوت
مبیں بچشم کم ایدل انار را ہرگز　　کہ دانہ ایش بود بہ زحقۂ یا قوت

ہر کہ خاک در تنا کند کحل بصر　　بہ سر رشتۂ پیشاب بہ شب تا ر رود
ہر کجا قصۂ خربوزہ آید میاں　　بہتر آنست سخن از خر و خروار رود

نان و پیاز سیر نخوردیم مسکاں　　مارا کے ارپلو شکمے سیر میکند

ہر کس کہ خورد کوفتہ گاؤ بیکدو شب　　چوں پیل پیکرش بہ نقش فربہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ　　شاہ بازے است کہ او فربہائے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرنج　　شیر دو شیرہ صفت شیر بہائے دارد
فرقہ را کہ بود شلغم و زردک انبار　　الہی باشد اگر در طلب سیم و زر زند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع　　از پیاز است مہیا دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان سیب ار نصیب شود　　تمام عمر بہ پیمایم ایں نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام کبھی ہو زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے - نمونہ کلام یہ ہے -

مصرع کا لگاتا تو ہے حصہ شعرا کا — سید بھی ہے رہ بیت کدہ احسان خدا کا
قچی سے میاں جی کی بچی جان پر فسوس — تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑا کا
بیٹھا ہے چمر گدکی طرح موذی منعم — ہیضے نے دبوچا نہ دبانے اسے تاکا

اصغر - آپ کا نام سید علی اصغر ہے - شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں - اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بعنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری - جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے - انتخاب نظم یہ ہے -

یہ محرم میں ہولی کا تہوار — ہنسی صورت ہے اور دل بیمار
گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم — جب نہ آیا ستم شعار عیار
لگ گئی آنکھ موت آ پہنچی — ہو گئی حس مشترک بیمار
روح قالب سے سیر کو نکلی — عالم خواب کی دکھائی بہار
نظر آیا بہت بڑا میدان — عرصۂ حشر جس کا باج گزار
کوہ آتش فشاں زمیں بالکل — دھوپ سے تیز تر آتشبار
ایک بڈھا ضعیف رینا میل — نظر آیا بہ صورت خونخوار
پیٹ میں آنت تھی نہ منہ میں دانت — جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار
ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر — سر بھی جنباں تھا صورت مینخوار
پائے ماندن نہ جائے رفتن تھی — تھی عجب مخمصے میں جان نزار
کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت — بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار
پڑھ گیا چند آیت قرآن — کر کے دم - دم میں لایا جسم زار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے — تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ — یا ہیں درویش کامل و دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ — ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جائے — مجھکو حلوا سمجھ کے لذت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ — دلمیں ڈھارس بندھی چلا نا چار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس — دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
بیٹھ پوچھا کہ کون ہو کیا ہو — اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو — کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب — حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل — نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں — دل پہ اٹھی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں — اُن کے افعال پر ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں — مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد — بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کر کے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے تھنے جمار کا — پھر بھی نہ تھا نکلنے کو ملا بوٹ یار کا
وہ کھو لکر ذرا سے پیپ صاف کہتے ہیں — امام آئے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچنی شکل اوصاف نہانی کی یہاں پر آکے گھس جاتی ہے دم میں عقل بانی کی
شہید ناز کی جب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم پری نے بیٹھکر نیچے سروں میں نوحہ خوانی کی

افسر۔ آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے۔ آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں۔ آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا۔ بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔ نہایت سخن فہم۔ نکتہ سنج و تیقہ رس طبیعت پائی ہے۔ انگریزی میں بی۔ اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی۔ کہ یکایک طبیعت اُچاٹ ہوگئی۔ اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں۔ جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت وسیع ہے۔ آپ بہ سلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اُردو کی اشاعت و ترویج میں منہمک رہے۔ آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں۔ اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں۔ مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جاسے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں۔ اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اُردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

تذکرہ وسعتیں حاصل نہ ہونگی دو دیبنوں سے خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان شیخوں سے
یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے عشق کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب مٹتے ہیں پاتے ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب سیکھے ہوئے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے اکبر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوادیشیوں سے تنگ کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است از بسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی مینماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است - کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام او راقم الحروف ارتباط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے

لکھکر عنایت کردیا تھا دستیاب ہوگیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۳۰۹ھ تک بقید حیات تھے۔ کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس لیے ہے فیض بسکہ زائغ عالم نواز کا

دیوان میں سب اصناف سخن۔ رباعیات۔ مستزاد مخمس۔ واسوخت۔ اور ایک مثنوی گنجیفۂ آفاق بھی شامل ہے۔ مثنوی چارکمان۔ مکہ مسجد۔ چوک میدان۔ دائرہ میر۔ چادر گھاٹ۔ چار محل۔ اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان الامال ہے۔ تاجو۔ رحمت۔ علیشی بیگم۔ جمیلہ تاج النساء۔ لالن۔ بی جان۔ چندا زہرہ۔ گلابو۔ بنیا جن کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں۔ صفحۂ کاغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے۔ اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح اُن کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتر آتے ہیں تو پرخچے اڑا دیتے ہیں کنایے اور استعارہ کی صف سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں۔ وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہنچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں غرضکہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلوپیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے۔ مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے۔ سرنامہ دیوان پر۔ جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کاپوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کانپور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں ۔

قطرۂ آب ... کو دیکھ بولے ور فردش ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب ... کی آب سے چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز ۔

جب اسے فصل گل تجھکو سرکے نشے نے چمن میں خرد کے خیاباں سے کھینچا

ادھر سے بہار اور ادھر سے جنوں آگے دونوں نے مجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سینہ ہی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں ۔

آجکل ہے دور سینہ ہی کا رکھے حق آبرو ہے مدد گردون دون کی مال والوں کیطرف

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں بھڑووں کو نت میسر شالیں اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھ سے اے قحبہ بہار اب ڈھل گئی مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجھپہ تو سچ کہہ یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا یہ گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلا یہ

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے ۔

اقبال ۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ بیرسٹر ایٹ ۔ لاہور کا تخلص ہے ۔ آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں ۔ آپ کی شاعرانہ قوت مشق ۔ فکر صائب ۔ تخئیل ۔ جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ۔ اور درحقیقت اردو فارسی نظموں میں آپ کو یدطولیٰ حاصل ہے ۔ چونکہ آ

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں ۔ اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے ۔ کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا ۔ انتخاب ملاحظہ فرمائیے ۔

مشرق میں اصول دین بنجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بنجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بنجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر — یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم۔ اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں۔ آپ ۱۶۔ نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے۔ دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنیٰ درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے۔ اور ترقی پاکر ۱۸۶۹ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۳ء میں وکالت کی درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کر کے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا۔ آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا۔ ابتداء عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق [illegible] جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ رنگ قدیم آپ کی شاعری پر [illegible] تھا۔ [illegible]ت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے۔ بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا- اور باوجودیکہ آپ رنگ قدیم کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر ہو گیا- اور اگر بہ نظر غور دیکھا جاسے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں- آپ نہایت ہی نیک طبیعت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اسی وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا سرمایہ یا اُن کی ہزریات مراثی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات - اُن کے علی الرغم آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح - اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی - زوال - رسوم - تاریخ - سیاست وغیرہ کا مجلیٰ اور مصفیٰ آئینہ ہے - آپ کی ظرافت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے - اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ حاصل کرسکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے - حق باتوں کی تلخی اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ اور گوارا کردیا ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی - ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین طرز ادا اور سلیقۂ بیان - چستی بندش نشست الفاظ - تلاش معانی - ہر جگہ حسب محل و موقع موجود ہیں - جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بنگئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے - اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے - آپ کے چند خود ساختہ استعارے - اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے - اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے - مثلاً نام جمن - گھورن - کالو - بدھو - تھلو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحوں یا اشارے کی صورتوں میں پیش کئے ہیں - اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے - مہمل مہمل ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظر والے کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور و غل۔ یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لاسکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کرسکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا۔ اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں مقصودیت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بیّن فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لینے دے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر
میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو مے پلا
حلوا اپنا رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

لگیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چلدیئے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلّت بادہ پہ ہو گیا فتوی
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن

الا یا ایہا الساقی بجو راحت بہ تاولہا
کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئین پا سے خود یہ بوٹ ڈاسن وٹیلوں
کہ سرسید خبر دارد ز راہ و رسم منزلہا

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا
خود ہمنے کیا ازار اد انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی ہدی نے
نیچر نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

[illegible] چلیپا ہوگیا — مست تھا دل پھول کر وسکی کا پیپا ہوگیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری — نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی — عطا کرتا خدا مجھ کو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نسیدہ ہا یوا — عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہہ دیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں — دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

بچالیں جیسکر دو روٹیاں کھو ٹیپ چلاتا — ہمارا کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا
دماغ کی

سکۂ زر بابوے در دھوتی گرفتار داشت ۔ با وجودش نالہائے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست ۔ گفت مارا خوفِ فیس و ٹیکس ایں کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جمگھٹ ۔ اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرق برق بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر ۔ چشم بد دور اب بنے ہیں آپ بلکسرپٹ کے لاونٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے ہیچ ۔ اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے ہیچ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے ۔ گو اُسمیں بھی صبح کو نہانے کی ہے ہیچ

نقد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر ۔ پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرے اکبرؔ ۔ شائد پڑ جائے اُن کی رغبت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ ۔ جو ہنسنا یا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی ۔ نکلتی ہیں دعائیں انکے منھ سے ٹھمریاں ہوکر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز ۔ بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیے ، مرا قصور حضرت جو معاف ۔ جو امر ہے واقعی گزارش کروں صاف
بس ناز روئے سے مجھے ۔ لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے — نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

خفتہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم — مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم

حسرت عشاق بازار میں جا نہیں کچھ نہ پوچھ — از مہیا در ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے ہیں بھی بتاتے ہیں — کہتے ہیں مان جاؤ مسٹر رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت — ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ — گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں پائلٹ — اٹلی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے — کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑے گنگناتے تھے لالہ تو بھجن — نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن

چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے — کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے — اونٹ کے سولفات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر نہیں قابض — کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں — بزاخفش تھے قبل ایکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور — کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں

تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر — کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے — لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

کر دیا یہ بخشا سے بر حال بندہ — کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں — دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے — یہ جن کی دھن میں تردید بیت اطناز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بقیہ ضرور ہے — اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی — وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے   اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی   اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی   ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پہ رکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند   شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھکر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے بیٹی   ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی   کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے   ابتو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے   یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے   مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا ماتک ہے

کاش کر لے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور   کیک تو روز ہے اک رات تیغون بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے   لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی   یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن   ازار بند کو کھو دیں گے جس میں بیچا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹی کی   چلی جاتی ہے گستاخی بغیرے خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دست جنوں تا گریباں کہاں   ہاتھ پیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کسر ہٹ میں ٹھیکہ دودھ کا   ریل ہونے لگے فرہاد اب کسار کی

ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی   چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا   پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال   کہا میں نے صاحب سے با صد ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ   وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر — اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو — بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں — چو دُم بر داشتم لیڈر برآمد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی — عاقل ہیں مکرمی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیروں کی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل — خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر — صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے بجائے کوکڑوں کوں — مرغ شاخ درخت لاہو تیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں — لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف — شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جپ ہیں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر — انکی مرغی بولتی ہے مکپ ہیں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور — ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

لیے برگنڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں — ہوئے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

چرخ نے پیش کمیشن کہہ دیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ — اب بھاگتا ضرور ہوا غور کیا کریں

کہتے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں — کافی ہے یہ شرف کہ وفاقی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرح بدنام ہیں — ننگ بد ہو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں — بوسہ مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

شرط یہ ہے فلک سے صلح آخر ہوگئی — قبریں مہیا وہ کرے تزئین انکی ہم کریں

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غرب — اس نئے دور فلک کی چاند ماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

ضبطی پرچہ توحید ہوئی خیر یہ ہے — قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج — ڈر گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دہن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک بھاتی — بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاتی

شانِ نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے — مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

بابو ہیں نکل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے نبیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامے سے باہر ہے یہ پاجامے سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کپڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو — مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ ٹوکے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنا — پائچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رول بات ہو — لطف موسم سے ہی ٹھنڈک ہوا اور برسات ہو

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جھگڑ مت بھی   وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں لیکچر ہے

الانسان ضاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار رہتے - باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں - صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے ۱۹۱۰ء میں جب کسی یورپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا - جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی: -

بیڈھب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں   سچ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو روسیاہ

کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہم پہ حکمراں   جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی -

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں   کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے

وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے   اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے

وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں   ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے

آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی   پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے

انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجویٹ   انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے

مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام ہیں امیر   افلاس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے

تصویر میں ہے ان کے اگر آم رس بھرا   یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

. . . .

بندہ خدا وہاں ہے یہاں بندۂ خدا   دین مسیح راست ہے اسلام جھوٹ ہے

ناول ذرا سے سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں چھپے   مطبوع ہند قصۂ گلفام جھوٹ ہے

کہتے ہیں وہ جو آنکھ کو استارہ میں صادقاً   کہتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

. . . .

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب   گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے
ادبار جیکہ آگیا سب عیب آ گئے   آغاز جھوٹ نیز سر انجام جھوٹ ہے

اسی طرح جسوقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الا لسان فراجک صاحب کی مچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

باوصف انجیر آکے اجل نے مٹا دیا   گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورث فراغ   بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے
گھبراتے تھے ولایتی جیکر کی سیر سے   مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے
مجلس میں اُن کی پورٹ نہ وہسکی فراچپیں   سینہ میں کے موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے
شائستہ لیڈیوں کا نہ متعلق تھا دل نشاں   ہاں تھے تو لولیوں کے پتے تھے سراغ تھے
باتوں میں چوچلے تھے طبیعت میں شوخیاں   روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کیسے کہا کہ تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ   وہ تو الہ دین کے طلسمی چراغ تھے

الست ۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے ۔ بھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک   تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک   تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بہادر مالک
تم ہندو ہشندر مالک   تم پورے بندر مالک
تم تیز مچھندر مالک   تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ　　　تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ

تم کلب میں ناچو گاؤ　　　تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو　　　تم سیرت اپنی دیکھو

تم شہرت اپنی دیکھو　　　تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے　　　ہو شاید ایسے ویسے

صاحب کے تھیلے کے پیسے　　　ہو مدہوشا ہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی　　　ہیں جیسے خلیفہ ثانی

کیا اچھی ناک کٹائی　　　کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے　　　تم کبر و رعونت والے

پھٹکار اور لعنت والے　　　صہبائے جنوں کے متوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا　　　تم مارو سب کو ڈنڈا

تم گاڑو پٹھانی جھنڈا　　　تم پا بھو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو　　　تم گوری میڈم رکھو

تم نیزہ بلّم رکھو　　　تم نوکر یو دم رکھو

تم خان بہادر مالک

السست شرابی آیا　　تم بھاگو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپ ہرّا گایا　　یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید - تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا - جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور رہتا - مگر ایک عرصے سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے - آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں - آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے - آپکو سلسلۂ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے - مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا - اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں - اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں - آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا - مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں - وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے - مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں - اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے -

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۱۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفہ سال نو اودھ پنچ کو پیش کی تھی۔

مشفق من کیجئے کیا عرض حال — شامت اعمال کا سنئے مآل
زن مریدی کا برا ہو کیا کہوں — جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوں
زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال — ہے کسی کا شعر میرے حسب حال
حکم جورو جی بہ از حکم خداست — انچہ جورو جی بفرماید رواست
سنت شارع سمجھ کے بے صلاح — اک عفیفہ سے کیا میں نے نکاح
وہ نکاح سنت خیر الورا — میرے حق میں طوق ذلت ہو گیا
حال من از دست بانو ابتر ست — درگلیم سنت پیغمبر است
بے اجازت جورو صاحب کے کہیں — میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں
کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار — خود سری سر پہ ہوئی میرے سوار
جلدی جلدی نوش کرکے میں ٹفن — کوٹ اور پتلون کرکے زیب تن
رکھکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی — فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی
جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا — گھر میں سے سیٹی بجاتا چلدیا
کی ہوا خوری بہت بے قاعدہ — جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ
صبح سے القصہ لیکر تا مسا — دربدر کی خاک میں چھانتا گیا
اب خیال آیا کہ کیا کیجے علاج — میم صاحب ہیں نہایت بدمزاج
وہ جو پوچھیں گی کہ تھے اب تک کہاں — کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں
کچھ جو آئیں بائیں شائیں بک دیا — عذر بدتر از گنہ ہو جائے گا
میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی — وہ جو بگڑینگی قیامت آئے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں ۔ جان مخفی کیسے دروں کیسے بروں

دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا ۔ اک مجسّم دیو آتا ہے چلا

کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر ۔ ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر

جب مرے نزدیک بالکل آگیا ۔ میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا

دل تم آیا ہو کہاں سے کون ہے ۔ بوجھ کیا لادا ہے بس سے دون ہے

وہ لگا کہنے بکن اے خواجہ گوش ۔ من زکابل ہستم انگورہ فروش

سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا ۔ اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا

عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ ۔ ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ

لیکے پھر وہ ان کو قصہ مختصر ۔ پہونچے خوش خوش تا در نکہت اثر

چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا ۔ سامنا چوہے کو بلی کا ہوا

گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر ۔ دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر

بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈینگ ہے ۔ دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے

دل جو دال ماش کو چاہا مرا ۔ جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا

اتفاقاً ایک آشنا کابلی ۔ مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی

ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں ۔ ان کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں

کہکے اتنا گھر میں با خوف وہراس ۔ الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس

چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے ۔ ہینگ وینگ ان سے نہیں لینا مجھے

بیٹھکر کہنے لگا میں ان سے یوں ۔ پیچھے پیچھے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں

ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا ۔ پدی کیا اور پدی کا کیا شوربا

رہ کے دنیا میں ترقی سیکھئے ۔ حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے

چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک ۔ کیوں ہوے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کرکے ہمت کسب کوئی سیکھ لو
نفع جسکے تاکہ اوروں کو بھی ہو

آجکل جاپان ہے حرفت کی کان
جسنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان

سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر
زندگی پھر چین سے کیجئے بسر

سنکے یہ باتیں وہ کاہل کا گدھا
یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا

کے خرمی انگوزہ را وہینگ را
خرچہ داند شاخ راؤ سینگ را

ہینگ باشد دافع درد شکم
ہینگ باشد نافع ہضم اتم

ہینگ باشد حیلہ علت را دوا
ہینگ باشد نوش و نیش جانفزا

ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود
قدر دانش بو علی سینا بود

ماش را روح رواں چیست ہینگ
قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ

بگذر از جاپان واز جاپانیاں
قید صد ایجاد واز زندانیاں

جاہل اند از دال ماش و انگزہ
مے ندانند ایں غذا سے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں
مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں

سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر
رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں

رشتۂ تہذیب کو تو آج کل
باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں

بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں
جورووں کو اپنے شوہر پاؤں میں

عشق میں اک آسماں رفتار کے
آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں

ہجر میں ان کے ستم پہ اور ہے
کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے
بھات اچھا ہے ماشلی کا مال اچھا ہے

مطلب نہ زمین سے نہ لٹھے سے غرض
گاڑھا ہو تو یہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھا کے گئے
آپ ایسے گئو کا اپنی ہی گا کے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راے
جب مانڈلے لالہ جپت لے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں
لیکن سمجھا بھی کو منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبوئی شیخ نے میکش دیکھا
بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر
تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستانِ بے خزاں
قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھسے یہ کہنے لگا
آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلئے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام
پوچھئے اُن سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں
پھر بقول دوستاں اس کافر نے لالہ سے کہا
آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اینچ کبھی
ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کرڈالوں تجھے
کیوں قضا آئی ہے تیری کیونکے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے یکڈپو کے منیجر نے یوں کہا
کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیئے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو
کشاف چاہیئے نہ اشارات چاہیئے
اک جی حضور خان بہادر کا ہے یہ قول
صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیئے
غالب کی پوچھئے تو مقولہ ہے انکا یہ
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
مجھے جو پوچھئے مے و معشوق کے سوا
امید سب سے ترک ملاقات چاہیئے

انشا - سید انشاء اللہ خاں نام تھا - حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلّی کے رہنے والے تھے - مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی - ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے - انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی - اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی -

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آگئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا - انشا کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا - مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان امڈا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلّی آنا پڑا - مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا ولی کا بڑھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا - بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی - مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں - یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو - اسی بنا پر انشا کو بھی داخلہ کا شوق چرایا - چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں - دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے - پھر بھی تنگ آمد و بخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار و ناچار چند روز نباہی - اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش طبعیوں - گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا - اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا - لکھنؤ اسوقت آج کا لکھنؤ نہ تھا - گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا - دربار میں فیض رسانی مہمان نوازی کی صلائے

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم و فضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمامتر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پونچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہو سکے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگین کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے -

ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ بہت شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ رنجش بھی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعالیٰ اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی...

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی
آنسو نکل آتے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوئے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ مگر دراصل یہ
واقعہ بالکل غلط ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری
کے لیئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی
مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ
بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص
میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پھینٹا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ پنکیوں کا
توبڑا ڈالے ایک کگڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا۔ کسی کسی نے
اس سے مزاج پرسی بھی کی۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تنبا کو نکالا اور اپنی چلم پر
سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں۔
اور گڑگڑی سٹک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں
ہمارے حال پر رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اسکی بات مانی۔ دم بھر کے بعد پھر
بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے
جاتے ہیں۔ سب صاحب آ جائیں تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں
یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے
ہوئے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ غزل
انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا
ہے۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں۔ جو اس زمانہ میں لکھا
گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال
لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آ چکے ہیں۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعرائے دہلی سے معرکے پیش آئے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخہ انیس الاحبا، مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہی کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہر صورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ تکالیف میں گزرا۔ اور انھیں صعوبتوں میں سنہ ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر کبھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ اب بھی دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خلاف ہے تو صرف اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا۔ کہ بجز ظرافت ہیچ صنعتے را بطریقہ راسخہ شعرا نگفتہ۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی اُن کا علم وفضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات میں ظرافت کے دریا بہاتا ہے۔ کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھبتی کی

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھیئے۔ بعد ازاں اڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے
بہرصورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔
مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم
ہو جاسے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے از راہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی۔ ان کا
وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لیئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں
کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا
مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آسے کوئی غلطی سرزد ہو
معاذاللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ
عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں۔

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور گرمی کیوجہ سے صافا۔ یا پگڑی
علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک
ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری
بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے
شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو۔ اور جو کوئی غلطی
کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جاسے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی
صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا۔ نواب صاحب نے کہیں
دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کیئے اور تاویلوں کے انبار لگا دیئے
نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا۔ انشا نے یہ رباعیاں نظم کرکے پڑھیں۔ اور غریب
مولوی کو دیوانہ کر دیا۔

اجناس کی فرد پہ ہوا اجنا کیسا | یہاں اہل لغات کا گر جنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز آگے　　لیکن یہ نئی اپج اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے بجنا لکھئے　　اور لفظ خرد خیا کو تجنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھنے ہووے لکھنا　　تو کرکے رقم اس کو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب　　قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپج لے لی ہے　　اس تان کے پیچ کا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اجنا آیا　　سلما سے علوم کا یہ سجنا آیا
اخبا جیزے ست کال بردید زنیا　　یہ تخم لغت کا لو اپجنا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آسے - پہرہ لگوادیا تھا
مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا - آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے
سامنے جا کھڑے ہوسے - نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آسے - اس پہ پھ
ذرا تیوری پر بل آسے - انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا -

میں تو کبھی بھی نہ رکھ ای مرے پیارے روزہ　　بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جس پر یہ تاریخ لکھی تھی

حویلی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں
نی البدیہہ کہا ——

نہ عربی نہ ترکی　　نہ سم کی نہ تال کی نہ سر کی

یہ تاریخ کہی ہے کس لڑکی　　　جو بلی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی انشا نے صلہ میں پانچ روپیہ دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت　　　دل من سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنج روپیہ دادم　　　دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہوچکا ایک مرتبہ بدیہ کو بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک سامانِ تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا　　　کہ چوں ذہن او ذہن رسا نباشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزن　　　شود خواندہ و شک ہیچ نباشد
دراں لفظ بدیہ را بہ دال مشدد　　　نوشت است وایں غلط اصلا نباشد
شنید ایں سخن را چو گرد سخن　　　ز انشا کہ ہمسرش اصلا نباشد
بگفتا کہ من شاعر خوش فکرم　　　چو من ہیچ مغّل گویا نباشد
تو گلستاں راندانی درست　　　ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد
سند یاد از استاد است مارا　　　بہ کلام ما ہیچ خطا نباشد
چو تشدید در شعر خسرو درست افتد　　　تشدید بدیہ صحیح چرا نباشد

گیان چند ساہوکار کی ماڑواڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے۔ جس سے اسکی عزت ناک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں کھٹملوں وغیرہ کی ہجووں میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی الجھے وہ وہ ادکھیاں کہیں کہ توبہ ہی توبہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے انشا کے لئے کوئی بھی فرق نہ تھا کہ وہ حبیب ہزل۔ یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تھی ایسے شعر لکھتے نہیں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا دو چار شعر

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھئے۔

لیا گر عقل نے منھ میں دل بتیاں کا گٹکا — تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سینا کا گٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت زنار کا جوڑا — لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا
ملے پارے سے جوہر تال کر کے راکھ کا جوڑا — تو تانبے سر جی انگلیں کوئی نوسے لاکھ کا جوڑا
نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تاسی جو اس جی صاحب — لگایا ہے جو اک بھوتر سے سنئے آنکھ کا جوڑا
لپٹ کر کشن جی سے رادہا یہ ہنسکر لگیں کہنے — ملا ہے چاند سے اس لو اندھیرے ماگھ کا جوڑا
یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانہ کا — نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو جنت بیٹھے ہیں اوہا کے کنڈ پر — اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

دل ستم زدہ بتیابیوں نے لوٹ لیا — ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا
سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا — تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگاں سے اشک خونفشاں کی سیدنی — جیسے بھرا پیچ چلے بالے میاں کی سیدنی

رات وہ بولے مجھے ہنسکر جاہ میاں کچھ کھیل نہیں — ہیں ہوں ہنسوڑا اور آپ ہیں مقطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے — یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے
ڈر و وحشت کی وہم و ہم سے تم — وہ تو ایک دیونی دینگی ہے
جوگی صاحب آپ کی بھی واہ — دہرم مورت تھیا کی بہنگی ہے

چشم بد دور شیخ جی صاحب　　کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجیے کہ کیا آج کام میں نے کیا　　جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا　　جب دھم سے آکہونگا صاحب سلام میرا۔

ہیں روز حسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر　　نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر
تعویذ لال ہی کے نہ پھرئے گھمنڈ پر　　اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈنڈ پر
یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے　　بچے بچے کہیں رہے آفت ا رنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو وہیں　　فیروز شاہ کی لاٹ کے اس اونچے کھنڈ پر
وہ پہلوان سادہ لب جو پہ ڈنڈ پیل　　بولا کہ کوئی عشق تو ہوا ایسے پھنڈ پر
انشا بدل کے قلیے رکھ چھتر چھپا کے　　چڑھ بیٹھ ایک اور بکھیڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر　　بنکر مہنت گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ　　عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہنسوڑے کی خیر　　تو یوں دیکھ اس لگوٹے جوڑے کی خیر
کداوے لٹے کے مرے رخش کو　　میاں ساقی اس سلفے کوڑے کی خیر
ہنسایا جو میں نے تو بولے نہیں　　نظر آتی کچھ اس نگوڑے کی خیر
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک　　ارے اپنے سونے کی توڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے - ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفننِ طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلّی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزّالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے — جو حال ہو گیا ہے اس پاتوں کی تلی کا
مجھ سے نہ آڑ زناخی تو رات کو کہیں تھی — چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا
انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں — ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا سے کہی — منھ دکھاوے نہ خدا آپ سمجھاداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ یاد کرے — جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا — ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب کھیڑا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھ کو ہے لپٹتی — ہے ہے تری گلہری کیا مانگتی ہے پیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں لگی — لگ جائے آنکے منھ پر انہ غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری یہ بولی — کیوں تم نے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

کروں بستار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا — دماغ آکر انھیں پر تھم رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سننے لگا ہے توہ میں میری — موا دربان کا لڑکا ملیند وہ مچھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر بات چیت اس تک پہنچی — دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے ننائی کا

مجھے پکڑا نہ تھا انشا سے ہیں نے بات کرتے کل — مگر نا - کام ہے تیرے یہاں تو چیا ئی کا

چوٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دگانا — کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر دگانا
چتون تری بس دیکھتے ہی یاد پڑی ہے — دلّی کی وہی چہل وہی مہر دگانا
نوج ایسے کہیں اور ہوں گھر کھوج مٹے لوگ — سب تاڑ گئے ہے یہ ترا شہر دگانا
میں تجھسے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا — اللہ رے تو ہے بڑی قہر دگانا

اڑ گئی فاختہ کیوں سر پہ دم دیتی ہے — اجی اسکا نہ کچھ اچھا مجھے کھٹکا اک لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہیں بہت سا لیکن — کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا
اپنے کوٹھے پہ کچھ استادہ ہے زقیلا کہ مری — لیگیا جان اڑا ایک کبوتر والا

ہے یہ سخی کونسی منزل انشا اسکا نام بتا — ڈر سا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تجھے پہ بیتی کہانی تو بنتڑی آنا — آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی آنا
چلبلی چھوکری اک ڈھونڈھ کے لادے جی ہے — اپنی میں رگڑا کروں پاؤں کی ایڑی آنا
کٹ زناشے سے ہوئی ودیتی اچھا تو ہوا — کٹ گئی یعنی مرے پاؤں کی بیڑی آنا
نہیں سنتا لیا تو نے تو پھر انشا نے — میرے دروازے کی کیوں چول اکھاڑی آنا

اپنا جوڑ دکھاتا ہے ہمیں زور نگوڑا — صدقے اسے کر ڈالئے در گور نگوڑا
میں چیخ پڑوں کیوں نہ جو لے انگلی ہی اپنی — ڈالے مسل انگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسایہ [illegible] ہوئی کل رات کو انشا گھس اسکے زنانہ میں گیا چور نگوڑا

تو قیامت بے مسری ہے حد بُرا تیرا گلا خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا
کیوں پڑا نہ ملکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا ہے بھارا روپ ایسا جیسے سوتے میں ڈلا
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہین لاگ لگا بی بی ہمسائی نے دی جیمیں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانئے تو لوں تو چ کوئی مٹھی بھر بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا
شوق سے سونگھ لے انشا مرے بو بالوں کی دے جھنجل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

کمبخت سہے وہ کام ڈگاتا بہت بُرا صدقہ گئی کہتی ہے بیزمانا بہت بُرا
دلسوز ہے دوامری پر اُس کا ہر گھڑی لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو آتی نہیں جا ئیگی مرے عیبوں سے اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا
نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا ڈاڑھی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے ارے او نفر کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کھچڑی سی بہو بیٹیں جس سے اسکی ابتک نہ گلی دال نہ جیا تو ل کسکا
ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا — کوئی سادی سی مرے واسطے لا ری انگیا
گو کھرو لہر بنت ڈاک ستارے کیا چیز — اس سے ہو جاتی ہے کمبخت گنواری انگیا
گیند اک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے — کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا
بی بی مغلانی جو سی لائیں تھیں آئی نہ پسند — بیگما جی نے وہ سر اون کے سے ماری انگیا
جسمیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دے ڈال — چھلّا میں کیا کروں گا اے ترے واری انگیا
اوڑھنی مجھسے جو بدلی تو اجی باجی جان — وہ بھی اک دیجیے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا
تھی عجب کوئی سگھڑ جسنے یہ کاڑھے بوٹے — وا چھڑی بنگئی اک پھولوں کی کیاری انگیا
ہاتھ انشا کا کہیں چھو گیا تو بولیں — تیرا مقدور کہ تو چھیڑے ہماری انگیا

سیل کے کونڈے اسکے آج ہیں کیا اسے دوا — ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

کہنے جو میرا اوڑھا ڈوپٹہ ہو یہ دگانا بات کدھر — لگتا ہے آہیں دونوں کو بٹہ ہو یہ دگانا بات کدھر
ایسی نہ چالیں چل تو ہر جا دھری جو لوگ کہیں — آپس میں ہی ان کے سٹا ہے یہ دگانا بات کدھر
خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہتے کوئی بوڑھا سا — انشا تو یہ ہنستا کہتا ہے یہ دگانا بات کدھر

کوٹھے پہ سیڑھیوں میں یا کہ منڈیروں سے اُدھر — صحن میں ڈیوڑھی میں یا اور کہیں منھ سے پھوٹ
سر ہلاسے سے بھروسہ نہیں پڑتا کسو وقت — کسیکے کب وہ کدھر یاں کہ وہیں منھ سے پھوٹ

بس ہلائیں مری نہ لے چٹ چٹ — اے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ
ہم ولا سا عبث نہ دے آنا — چل پچھی دور ہو پرے بھی ہٹ
چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا — جیسی اُس کے پانوں کی آہٹ

ہیں ترے کو صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ — مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ
لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس اور ذری — ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
چیخ چنگھاڑ مچا کئی ہوئی انشا سے نہ مل — ہٹو اب منتیں کر کے تری باری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں — پاجامہ تنگ ہے برق ہڑا ولا ازار بند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا یہ رات کو — وہ کھینچے وار آپ نے توڑا ازار بند
کیا بگڑ گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا — ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازار بند
انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے — دیجئے گر تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اچھا یہ نکیلا ازار بند — لیکن کسی کا تو جو ہاتھ ڈھیلا ازار بند

اے دگانا مجھے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ — تو کیا کر آج سے تو بھی بیس اک ایکیس ڈنڈ
جو بیری مہندی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں — لوٹتی کیا کیا مزے ہی یہ موئی شتر تنگ ارنڈ

جو مجھے لڑکے سو الٰہی کرے — تم کہے سوتے کو اپنے کھاوے بھاڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول — ارے او بے سرے نگوڑے کواڑ
لے چل انشا مجھے کبھو رستے — یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

گما نے جو کیا جھکسکے سلام آنو کو — آغا جینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز
پھلنا پھولنا اور دودھوں نہانا ہو نصیب — بیاہ ہو سو نیکے سہرے سے تری عمر دراز
پڑی شرم کی ہے یہ بات — گھٹ گئیں بیٹھے سے انشا کی تمہاری بی آغا

ہے جو دروازہ دوگانا کا کا — اُس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک
اس کی زنجیر کبھی نہیں لگتی — آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

ہیں جھجک اٹھی لیکے انشا نے — کل چبھو دی جو میری ران میں لونگ
اری بی ایک ہی عیار ہو تم — ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں — جو نہ سمجھوں گی زناخی جان تیری بولیاں
کیا یہ چھیڑخانی کی باتیں آکے ہیں ہمسے چھیڑیاں — سیکڑوں کتنے یہاں رگڑا کئے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہولی کھارو — نہ مجھسے کرو بولی ٹھولی کھارو

ہاں وہ لائیے کمبخت جو چیتا چاہی ہو — اجی بس جاؤ بھی کچھ تم تو بڑے واہی ہو
پھر جو بول اٹھوں گی کچھ میں تو یہ طعنے دوگے — قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

تم بڑی قہر ہو اے باجی جان — لوچ تم سی کوئی چھتیسی ہو
اے دوگانا تری معشوق کو — چیز اک موم کی بتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑیں بڑی پوپلی ہو تو — اے دوا قربان کشش بڑھیا کی ہجو لی ہے تو

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کہتا ہوں — نہ رکھے بات کچھ جی میں بھری ہو سو اگل ڈالے
فضیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں بیٹنا پیسے — بڑا دانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو دل ڈالے

بڑائی میرے بھٹنگے پر خدائی رات میں میں نے — پڑے ایسے بہت سارے کڑہائی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے بچھیڑا اک جو ہے تاکند سا پھرتا — میادا اسے دداجی وہ کہیں تمکو کہندل ڈالے
غلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھڑادیں — نگوڑی باولی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے
وگانا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہنچا — کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے
اری تو ایلی ہی پڑتی ہے مارے چہل کے اور تڈی — خدا ایسی بھی دیدہ و نہیں کیسے تو رچ چہل ڈالے

ہزاروں دیو ونکو بانکی پریوں نے پچھاڑا ہے — نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں — ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو سچ کہا کہ کل اُن کی رات کاٹی — تو اُس نے کس مزے سے میری زبان کاٹی

یوں جھکا مجھ کو کوئی رات کا جاگا جیسے — تم تو وہ جاگتے ہو سوئیں ہیں دھاگا جیسے
یونہی ہر بات میں یوں لا کر دسکڑ یہ سردا — ابھی آقا کو بھک کر کہا آگا جیسے
ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھائے انشا — مجھے یوں رات ملا ہو کوئی تاگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا — میری چھاتی جو چھوئے اسکی ہتھیلی جل جائے

پڑ گیا تیل مرے گال میں کیسا قہر ہوا — ارے کمبخت نگوڑے پڑے تجھ پر بجلی
ہو گئی رات تو سب لوہو لہان اے انشا — دیکھ میں چیخ پڑونگی نہ مرے لے چٹکی

[illegible] اے کنڈی پنا انشا کو بلا — ڈرے ہیں یار کیا چاہتے ہیں بیان [illegible]

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی | اب تو نیت بھی اکھڑا جی باجی باجی
اے لو اس کوٹھڑی میں پیر ڈرانے کیلئے | اک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہیں حاجی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی | لادے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہیئے بھلا | بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کوکا جی دیکھیو میرے دگانا یہ کیا پھبی | پشواز اودی اور جلا جھل کی اوڑھنی
انشا کے سونگھنے کے لیے اُن نے بھیجدی | جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں شاندار بھائی تیرے | صدقے قربان جاے دائی تیرے
وہ چال تو چل کہ نام رکھے کوئی | بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے | گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے | بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

چھا تھا تو نکر عبث فضیحت ہوگی | آتو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
چالیں یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق | اک روز بڑی بڑی فضیحت ہوگی

انعام ۔یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سارن کے رہنے والے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے ۔عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں
آپ کے چند شعر دستیاب ہوے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے
ملاحظہ ہو۔

سندھیئے شلوار زر ہم سکۂ زرتار داشت — باوجودش نالہ ہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست — گفت مارا قرضۂ بقال برایں کار داشت

سیٹھ اگر نشست با مانیست جاے اعتراض — مالک ہمیان زر بود از گدایاں عار داشت
بنگر ید ایں تنگیٔ حال مسلمانان سندھ — شیخ [illegible] شود رہین ساہو کار داشت

حدیث اتقوا [illegible] [illegible] — [illegible] شاید بحکمت ایں معما را
من از آں [illegible] و اسنادو ہم — کہ قرض از کمینہ سندھی آرد چیپہ چیپہ را
فغاں کیں [illegible] قرض شہر آشوب — چناں بردند شود از مالکہ ترکاں خوان یغما را
سمن [illegible] ال قلمدانکو کردی — ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

[illegible] بقال با صیدا را اتند — خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار اتند
چہ صبا درد یار ہند بہ بین — کہ از تطاول بنیا چہ سوگوار اتند
نہ ہمراہ آب و بہ ہشد غماز — دگر نہ قارض و مقروض ہر دو دار اتند

نوری - محمد اد صد الدین نام تھا - ایران میں علاقہ ابیورد میں بہ ہند ایک گاؤں
کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں
[illegible] نسبت سے اوایل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے استاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعرا میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۵۴۳ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کہی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی فتوحی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کردی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے۔ اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا۔ اور اوڑہنی اوڑہا کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ پھر بھی انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار ۵۴۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مد مقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیوجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچی ہے۔ مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے، کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے — کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو بودے بہ درازی — تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

سوزنے از بہر تماشا سوے دشت — چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بصحرا ساختند ماندند دیر — چند خر دیدند در صحرا چراں
زخرے بر مادہ خر رغبت نمود — بر مثال عاشقاں یا دلبراں
با عمودے یک گز و نیم آبنوس — گادنی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گہ بر می کشید — تیز می افگند و میکرد عاں عاں
زاں زناں یک زن آں گادن بدید — بر کشید آہے و گفت اے شوہراں
گر جماع اینست کایں خر میکند — بر کس ما می رینند ایں شوہراں

زعیم خیرہ را ریشے است بر گرد دہن چناں — کہ گوئی عنکبوتے بر کس گادے تنیدستے
ے دارد گل دہر جا گوے ستہ دو لاہم — مگس گوی براطراف کدوے خشک بیدستے
...نات چوں آید درادل سر بر بدیش — درینیا گر بجائے ناف ادرک اس دریدستے

...ورد و یہ مردی ہنر آموختت — در دور قمر گو بہ نشیں خون جگر خور
...ای بر د و بیاسے بزنہ پوش — یا مسخرگی می کن و حلواے شکر خور

...ج: تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور
...میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں - اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں پہروں منہمک اور سرِ بگریباں رہتے تھے - پھر بھی وہ مضمون قابو میں تو آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے - جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے - اسوقت کے لوگ مہذب تھے کیونکہ آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منہ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے - جس سے توہین ہو تی - سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہجاتے - ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے - اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے - ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے - اسی لئے ان کی مشیخت آبی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہوجاتے اور یا برابر داد دیتے - مرزا غالب نے جب اردو کا دیوان تمام کر دیا تو ذوق مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا -

دیڑھ چیز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع عجب ۔۔۔ غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کا فر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں - تم تو شعر کے خدا ہو -
ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتھنی انعام دی -
چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انھوں نے شعر کہا -

جھمنوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے ۔۔۔ نجومی بنکے جو ہتنی کا دان لیتا ہے

دلّی میں سشیریں ایک بڑی نامی رنڈی تھی - خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی - اور حج کے استہزا کیلئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا -

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی ۔۔۔ مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا - چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے -

ہیں پاچپلیاں بہو دنکی جبین پرشکن کے اندر ۔۔۔ الٹی ہے بہتی گنگا مچھی بہون کے اندر

دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کار خانہ ۔۔۔ ہے مہر شمع واڑوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں نخل کہ جیسے نہیں دریائی　　مری ہے کشتی گل تار جبیل دریائی
مجھے اترتی ہے گرد آسماں سے وحی　　ہے راہبر خضر جیسے جبرئیل دریائی
میں کالا پانی پڑا ناچتا ہوں ہر شب و روز　　زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی
بنا ہے کنگرہ خار میرا دشت حصار　　مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی
چڑھا ہے مرا اک تار لنگر دم پہ　　مرے عمل میں ہے جز ثقیل دریائی
میں اپنے کو بچ کی ہوں موج میں بہا جاتا　　حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی
ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے　　یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی
ہے ادنیٰ مرد مکہ دیدہ مردم آبی　　نکال دیدہ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر　　طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر
جیب تھا زر گل کیسہ غنچہ کی گرہ میں　　بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

وہم کا جو دھوا ہے مانند خیال اپنا　　ہے پل صراط اتریں یہ ہے کمال اپنا
طفلی ہی سے [illegible] سے الفت　　سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا
کسب شہادت [illegible] کو یاد قاتل　　سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
[illegible]وں میں رونا　　ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

حیدری — مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو [illegible]کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس کے [illegible]سے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصائح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں

عارفے مست شد بخواب در فکرے　　دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از وے سوال کاسے دختر — بکر چونی با ینہمہ شوہر
گفت دنیا کہ با تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
ہر کہ نامرد بود خواست مرا — این بکارت ازان بجاست مرا

پسرے با پدر بزاری گفت — کہ مرا یار شو بہ ہمسر و جفت
گفت بابا زنا کن و زن نہ — پند گیر از خلائق از من نہ
در زنا گر بگیردت عسسے — بہ ہلاکو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند — گر تو بہ گذاریش چیا نکند
از من و مادرت نہ گیری پند — چند بینی و بار بینی چند
آں رہا کن بگیر آب وہمیہ نمائد — ریش بابا نگر کہ تیمہ نمائد

فرج گور است اندراں لحدے — صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو گور افتادہ — زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اُٹھنے لگے جہاں سے بخارات سودیشی — لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں انکی حرارت سے نہ تخمیر ہو پیدا — تا چرخ چمکنے لگے ذرات سودیشی
ہیں مجلس سجو نکدریں یا دل میں لگی پانی برسنے — ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
دنیا کے پی کی نہ کمی ہو نہ امریکہ کے گیہوں — بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

....

اُس طفلِ خشت پخت کی تھی خشمگیں نگاہ — ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپٹ کے پھول گیا مثلِ نان جو — شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھکے کچوں کی بہار تھی — سینہ کسی کا باغچۂ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے — مرغِ دل سوزاں سے ہے تہ دام ہمارا

برق - اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتا پور میں ۲۱ - اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۸ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاکر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کرکے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا -

گو کہ آپ اسم با مسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور بخصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زبانداں کے ساتھ ملتے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھوناتھ ہجر مرزا مچھو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب [illegible] جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسیوقت سے اودھ [illegible] نامہ نگاری [illegible] سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں - اکثر ان کے نقط بلند [illegible] کہ بادِ شاید - بنگلہ سے چار پار [illegible]

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ روہنی۔ پرتاپ بنگالی دلہن۔ مار آستین۔ مرنالنی۔ سب کے سب سنجیدہ دلچسپ سلیس اردو کے ناول وہی بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔ مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ مشاقی کی ایک زبردست سند ہے۔ ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کرکے صرف بعض بعض نظموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر کہا گیا ؎ اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند۔

کلاہ سرخ ترکی وا کیا بر سر نمی ماند ہمیشہ کوٹ و جاکٹ زینتِ زین بر نمی ماند
زمانہ بر یکے آئین اسے نیچر نمی ماند عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

براندی ہوا تما در بوتل و ساغر نمی ماند چنیں بید و چرٹ در دست دلبر نمی ماند
بیا ایں بوٹ انگریزی دفرید سر نمی ماند عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

چنیں اسپ دسر پٹ میدان تا کجا تازی ہمیشہ گیند و کرکٹ ہمچو طفلاں تا کجا بازی
مزیب در بدن تا کے چنیں پتلون بگو سازی عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

براندی تا بکے از ما بگو اے نیچری نوشی لباس جاکٹ و پتلون بہ کفشک چنیں پوشی
برائے کردن ایں رسم لندن تا کجا کوشی عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

کنی گمراہ عالم را بہ ایں ہیچ زبوں تا کے بہ سر فرمن لندن ایں چنیں خبط و جنوں تا کے
ن بول استادہ بمثل سگ کنوں تا کے عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

خودی تا چند مغز سر بریده را بدیں غبت — حرامے رانمائی از دلیل خویش چوں حلت
خرد می نالد اے نیچر مدیں عقل و بریں ہمت — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

بجائے سنگ اسود دے لیڈی را بہ بوسیدن — بوقت گنبد کرکٹ بید ہٹ کی بیتاب گردیدن
چو قرآن و حدیث ای نیچری انجیل را دیدن — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر ایزد را کہ ہست از خالق بیچوں — کبوتر چوں بکا یک قہقہی سازد غمر مجنوں
جز ایں زاد و رواراد تو یہ کن ازیں اکنوں — عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج دھج نئی ادا کا — جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ قہر دولت غضب خدا کا
سفید داڑھی یہ کالا جوتہ اور اسپر طرہ وہ سرخ ٹوپی — بدن پہ جاکٹ گلے میں پٹی سی عالم اسپہ ہے اک بلا کا
ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جسنے ہو وہ مفتوں — غضب کے فقرے ستم کے جملے اور اسپہ طرز بیاں بلا کا
بہت دنوں تک کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے — خدا کے بندونکے دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب جدا اسکا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں ۔

ملک دکن پہ قحط کی یارو چڑھائی ہے — چاروں طرف سے فوج تبہ کار آئی ہے
محتاج تھا تو ان میں بھی خدا کی دہائی ہے — کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

بھرتی امید وار ہوں خواہش ہے کام کی
یہ سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی ... وار — اڈی بلا کی فوج کہ منہ جسکے چار چار
پوربھئے یارا ... وار — آتی تھی ہر طرف سے صدا بس بیا بیار

چہروں پہ جھریاں تھیں وہ بالکیں اڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک ورکھیپ آئی کہ اللہ کی پناہ — اوپچے وہ انگریز کھبئی واہ واہ واہ
تیورسے آشکار کہ پیسو نپہ ہے نگاہ — اسے نہ کچھ خیال بھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

دوش رفتم سوے بازار۔ کسے یافتم عیار۔ زہر قید سبکبار۔ بہ تر دیگر گرفتار۔ ز خود رفتہ و سرشار۔ سبک خیز چو رہوار۔ تنش چوں تن زنبور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیجور۔ بہ بیر کوٹ و پتلون بدن بشستہ ز صابون۔ رخش زرد۔ دلش سرد۔ تن و جان ہمہ گرد۔ نہ او صاحب ایمان، ولے بندہ شیطان۔ نہ ہندو نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دَوَدُ ہر سمت بصد شوق گہے تحت گہے فوق۔ گہے استاد و شاشید۔ گہے جست و مرا دید۔ گہے کھٹو کرد بیٹی۔ گہے چاء گہے کافی وشمپین و برانڈی۔ گہے بیرو کلارٹ۔ گہے پاکٹ گہے جاکٹ۔ گہے شیر سے وگہے رم۔ گہے ٹکی گہے ٹم ٹم ہمیں فکر بہر دم۔ کشتہ حرص و ہوا را۔ گفتم اے ہمسر فرعون۔ چرا می شدی مطعون۔ کسے نیست چو یارت۔ چہ بود آخر کارت۔ ایں وضع کدام است کہ داری۔ چوں شدز خرد عاری۔ شیشۂ تنگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ تو ئی دیوانہ و مدہوش۔ رہ عقل فراموش بشر علم و ادب دور۔ بہ سے گمرہی مجبور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجانت۔ مکن دیر خدا را۔ گفتہ عدوے ناموس۔ بردڈام بگرڈوس۔ ٹم آدمی ہے کالا۔ یو ہو کا لتالا۔ من صاحب لوگیم۔ فدائی بسر میم۔ صاحب پلپلی نامم۔ بجہاں شہرۂ عالم۔ زرموزم تو چہ دانی۔ کہ نا قابل آفی۔ بزنم کھٹو کرد تھپڑ۔ ایٹو گڈا میر شکلم رو سے شمار ا۔ گفتم اے صاحب اوصافت۔ مزن بیہدہ بکن لافت۔ بہ بیں روے سیہ خویش

بنہ آئینہ در پیش - مشو طائر نقال بزن مفت پر و بال - بجز راستی مکن ہم کیک - مکن ترک رہ نیک - بشو پیر د حسنات - برست از مزخرفات بہ بیں صدق و صفا را -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ ۔ شہ سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرجا اور بتخانہ ۔ گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی ۔ ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی ۔ رندوں میں کیا تکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی ۔ سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کہ کرتے ۔ اون کی رہتی تھی بی توبہ
[illegible] کرول گا ۔ توبہ توبہ [illegible] توبہ

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیگ نام نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر اس کے اور نہیں دیکھے گئے - میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اُس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا - اب خدا معلوم کہاں گیا - بہرصورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں - میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے - کاش ہوتے تو لکھتا -

جب کہ دیگ کی فوج چلتی ہے	زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ	مرے سینے میں دیگوں کا داغ
ذرّے کے دام میں نہیں خورشید	دیگوں نے اسے کیا ہے چھید
ڈرے دیگ سے وہ جو ہیں بے خیال	یاں تو اب گئے خصیو نیز ہے بال
گنگے زیر و گنگے بالا	نے غم درد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی - نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام دام سب بھول گیا شعر یہ ہیں -

حبیب را اگر علاج میخواہی	طلب وصل مہ سرائی کن
در شب وصل می پرد جانا	یک نجات است اینچنانی کن
بنیں کم ستمگر سید بسمل	از تغافل و بیدلہ سائی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی شیخ الدین صاحب مرحوم کا - آپ پنجابی اخبار نویسوں میں ایک اعلیٰ درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی و ذہین تھے - عرصہ تک

پنجاب [illegible] ایڈیٹر رہے۔ اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں [illegible] جہ کمال حاصل تھا۔ ۱۸۸۱ء میں بعارضۂ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کی جاتی ہے۔ غالباً سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی بر سر پیکار ہیں لو اور سنو | ان کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے | ان سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ کتیا نہ تو ادرک نہ مصالح موجود | سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسیر بھی | جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم ترے مولوی تھے آج طفیل سرکار | پنچ میں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نامے پڑے رہتے ہیں کی [illegible] | آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا۔ شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر۔ اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبد الغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم کیا یک بیک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہاں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خو[illegible] صحیح تھے۔ اس لئے انہیں ظرافت کا رنگ پیدا کرنے کی ترجیح پھونکہ [illegible] سست مہذب ہجوؤں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک [illegible] میر نے یہ شعر لکھا۔

وے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقاؔ نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابے میں ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا اے بقاؔ تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

یعنی اُس میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے اور بینی کا یہ عالم ہو کہ ترببینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب کہو اس سے کیا بہتر اسمیں ہو وے جو نام شاعر کا

لیکے دیوان پکارتے پھریے ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونوں صاحب کے اے بقاؔ جبکہ ہم نے زیارت کی

کچھ نہ پایا سوا اسکے سخن ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ و لے بیٹھ گئے تو نے چاہا تھا کہ اٹھا لے نہ اٹھے بیٹھ گئے

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقاؔ واہ رے میں

ان اشعار کے سوا اور قطعہ بقاؔ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

ٹپکائی — اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں ۔ ۲۶ اپریل ۱۹۱۵ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ ۔ اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا ۔

نوحہ رقت و تخیلات افزا حسن اتفاق سے نوحوں ۔ سوزوں ۔ مرثیوں کی فصل ۔ رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے ۔

چنگی کا میں حاکم تھا یہ الطاف الٰہی ۔ ہے ہے مری شاہی | کرتا تھا میں مٹھوں کی بڑی پشت پناہی ۔ ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت ۔ ذلت ہوئی ذلت | چنگی کی حکومت گئی آپہنچی تباہی ۔ ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت ۔ یہ کیا ہے بغاوت | پھری یہ حکومت ہے نرالی یہ الٰہی ۔ ہے ہے مری شاہی

باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج ۔ اب ہے یہ کیا چارج | بیکار ہے بیکار رنگی منھ کو سیاہی ۔ ہے ہے مری شاہی

یہ سن کیا ضبط تو تب آ گئی مجھ کو ۔ اے میرے محمد | خون تھوکا جو بیمار ہوئے تو وحشت آئی ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دلبر تھے لگے تیر سے چلنے ۔ لگا تیل ملا دہلنے | جب بورڈ میں جا نکلی ہوئی میری منا ہی ۔ ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے حمل ذرا راس نہ آیا ۔ غیرت کو گھٹایا | کالا ہوا منھ بڑھ گئی قسمت کی سیاہی ہے ہے مری شاہی

بیٹے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم ۔ ہو بلکہ دوامی | قسمت ہی بری تھی کہ نہ شفقت نہ بھلا ہی ۔ ہے ہے مری شاہی

پینگ میں تو سب مخالف مرے آئے ۔ مجھ کو نہ سکھائے | دیکھا جو پیچکے سے ہوا گھر کو میں راہی ۔ ہے ہے مری شاہی

سب ایک طرف اور اکیلا مجھے رکھا ۔ فریاد خدایا | رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی ۔ ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی رہے عزت | منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی ۔ ہے ہے مری شاہی

نیچا سر مغرور ہمیشہ ہی ہوا ہے ۔ آخر کو جھکا ہے | لی دو دنکی میں نے تو لگی منھ پہ سیاہی ۔ ہے ہے مری شاہی

بلیغ ۔ محمد ثناء الحسن نام ہے ۔ لیٹن پٹی ۔ یوپی کے رہنے والے ہیں ۔ نہ معلوم حال کیا لکھا

خوش فکر ظریف شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں۔

ہزاراں حسرت نافرجام برایں ہمت عالی — کہ من مرغوبۂ خود را در آغوش دگر دارم
چہ دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من — بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوشا روزے کہ آں پرخور آید در کنار من — بسا خربوزۂ و تربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بالغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا — کہ ہر اہل بلغ گوید کہ من سوئیت نظر دارم

بلبلیلی ۔ یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شرما کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں۔ علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بدقسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
وائے قسمت میرے نسخہ میں قم انجیر ہے — چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تبخیر ہے
عقد بندا بنیں عیسیٰ مجتہد ہوئے واعظ تجھے — دخت رز ہے نور چشمی یا تری ہمشیر ہے
ہو ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام — نجد کیا اے قیس ترے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے — بس اسی رشتہ سے لیلیٰ قیس کی ہمشیر ہے
اے بلبلیلی میں اپنے فن میں کیوں نازاں نہ ہوں بھلا — مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

پندریہ ۔ عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پُر زر بہ — بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ادنٰاں یورپ ببین — پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان — از رہ مستقیم چپ گرد بہ
ایلچے ہم بکار می آید — خر عیسیٰ بحال خود خر بہ
وضع خویش اختیار باید کرد — ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیمایش — خاکساری شما را احقر بہ
ہمچل خواب را نمودے نیست — نو بود خواہ کہنہ چیچر بہ
قند ز نگی ز نیشکر آید — چوں شکر سید ہر چقندر بہ
مفلسانیم در بساط حیات — اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی — جان بل چوں غزال اصغر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را — ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانہ انگریزی — تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید — ہنسکے گفتا کہ او ز خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا - جس میں اُس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہمنشا

شاگرد ہیں - میر صاحب اور ابو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہ درج کرتا ہوں -

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے - اس لئے جب شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے - ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے - میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں - مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور ذلت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا - چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں -

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آگیا - مولوی کا زور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے - یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو - جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بہت بڑا انامہ جو اُنکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں -

درد پڑھ تا د علی آکش بیتال کو باندھ   درد پڑھ تا د علی جن و گرو لال کو باندھ
درد پڑھ تا د علی بھیرون گٹھریاں کو باندھ   درد پڑھ تا د علی بھوتوں کے سرال کو باندھ
درد پڑھ تا د علی سب خرد حیال کو باندھ

ہو بید سے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا   باندھونگا عیث بھاگ کے آگے نہ نکل جا
کرا در کسو آدم و حیوان پہ عمل جا   آ تو کبھی کہا مان شتابی سے نکل جا
بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا
یا شیشہ میں ہو بند و یا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا ان کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آں نیم کہ ز حلوا عناں بگردانم — کہ ترک صحبت شیرین نہ کار فرہاد است
کسے بجوہر یکدانہ نخود نہ رسد — کہ قفل حقہ کیسا بپاچہ نکشا داست
دگر مگوے کہ نان نو عروس سفرہ ہاست — کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است
نوشتہ است ز روغن بچہرۂ حبشی — کہ ایں سیاہ زبان زعفراں آزاد است
چہ می بری اسے کاسہ لیس بر استحاق — بہ گنج زر دو عسل روزی خداداد است

بہ پیشیم در سحرگاہاں گر آری صحن نجرا را — بہ بوسے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوسے فربہ اگر داری غنیمت داں — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
[illegible] دہ بریاں و حسن و نبۂ فربہ — چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
[illegible] بشکن زعفراں رخسار نالودہ — بزنگ و بوئے و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
[illegible] وصف خوشۂ انگور شقالے — کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

[illegible]م نہ ذکر قلیہ حسالی — پسنکر بورتمم فی کل حال
[illegible] بخیزم از بہر ہریسہ — ومن طلب العلیٰ سہر اللیالی
[illegible] پستہ آں خورشید شلغم — کان الشمس فی جوف اللیالی
[illegible]م سید رم مرغ مسلّم — فما ادری یمینا عن شمال

[illegible] ایک بیاض قلمی میں بوبک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام [illegible] کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڈھانہ

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - اِن کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنسا تی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے - اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں - وہی شور وہی ہائے واویلا ہے پیدا کرکے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے - کریما کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - اِن کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے اُن کو نظر انداز کرکے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی   شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں بہت پست   گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست
کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست   خوے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا   کریما بہ بخشائے بر حال ما
کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس   ندارم غیر از تو فریاد رس
یہ کہتی ہے جورو تمہیں پر بلا   کہ ہستی اسیر کمند ہوا
وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا   نگہدار مارا ز راہ خطا
میں کہتا ہوں اس سے کہ اے فاحشا   خطا در گذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر   کبھی مارے گھونسے کبھی پٹکا سر
بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر   تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر
تکبر مکن زینہار اے پسر   کہ روزے ز دستش درآئی بسر

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں - متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں - اب سنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوسکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہوگی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پرچار کر رہے تھے - اُس وقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے | اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر | بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہوگئی | اچھی خاصی ان جلاہوں کی کمائی ہوگئی
ہو ترقی کس ا - ا سے کھدر کی بھلا | چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہوگئی

کیا کہوں شوق ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا
کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا

کیا ذراسی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا
میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعویٰ کر دیا

خود ہوئے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہدیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج
کس لیئے رکھا ہے سر پہ مسیحائی کا تاج

پوچھنے کے واسطے آئے نہ تم میرا مزاج
ہو نہیں سکتا جو تمسے درد فرقت کا علاج

تمکو کس الّو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے
کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے

اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے
صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے

مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھہرنے دیتا نہیں کچھ اُسے دوران سر
یہ کبھی اس شاخ پہ بیٹھا کبھی اس شاخ پر

دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر
بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر

شاعری نے اب اُسے الّو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد
ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد

اگر جوتے اُسے گا ر دکا گارد
زمین شور سنبل بر نیارد

در و تخم عمل ضایع مگرداں

....

جھسنٹ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا
ہت تری دُم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو
فوراً سے مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پہ مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے
مری بیوی برابر مامتا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا
اب اپنی بیوی کو میں تنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہو گئی
کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بیگن کے سوا
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی
سید ولی کے پاس رہ کر مجھکو سید کر دیا

پوچھتے ہیں نام بسنت مجھسے لوگ
کہہ بھی دو الّو کا بچّا نام ہے

دی ایک چپت ایسی گالوں سے لہو نکلا
وہ بھوتنی والا تو میرا بھی گرو نکلا

....

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں
کھوپڑی کا فقط بچانا ہے
جسمیں سے تھے ہم عدم میں لے بسنت
اک بڑا وہ بھی کارخانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے
یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا
کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں خوب لوگوں پر　　　پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں میں اور نہ کوئی چور ہوں میں　　　حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں　　　جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کش ہے اور میں اس پر کش　　　میں مہینہ میں نکالوں ور وہ نو ماہ میں

بیڈ ھب ۔ ایثار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں مشفقی قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں انکی کلام سے خوشدلی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ تقہ ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جسمیں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے ۔ پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں ۔ اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں۔

حمد خدا میں بیڈھب زور قلم دکھانا　　　ایسا ہے جیسے چھپّر افلاک پر چڑھانا

اک آدہ آتشیں ہیں ڈبل کام ہو گیا　　　اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا

دو سیر باجرے کا ملیدہ اُڑا گئے　　　لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا　　　جو والف کہیگی وہ بیشک کروں گا

نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا　　　تو تیں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا

اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے　　　تو میں آج سرقے کا دعوی کروں گا

اگر سخت جانی مری کام آئی　　　تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمہارا — بس اب آپ سے خط کا بستہ چیروں گا
اگر ساس نے مان لی میری بٹیہ صاحب — تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اس صورت سے وہ عیار ہوتا — کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہوتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زنانا — اب کے جنم میں یارب مجھ کو رنڈی بنانا
اس راگ پہ لعنت ہے یہ بھی کوئی گانا — تادیم دیم درنا تا دار دیم تانا

کیا وہ سر جائی مجھے ڈھونڈھیگا جو کبھی — ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
ہار ہار بیٹھ گئے ہار کے چنگی والے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن — آجتک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو — کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
دانشال کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا بیٹا یہ تمہارا دل نہ تھا

تھا کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا — سنت آنتوں کو سکھاتا ہے سویاں ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے — قابل قدر ہے آموں کا بھدیاں ہونا
لناگت میں تو رہنا پنڈت — اور بچھڑے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا

تھا میں [illegible] جھمیلا عید کا — پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ برخوداریاں | عرس افطار اور میلا عید کا
ہیں یہ جیسے اور یہ لندن کا بوٹ | شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چلدیا | رہگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترا تھے ہوگیا غیر کو اپنا کہکر | ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا
دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے | قید ہوگی کہ ضمانت کہ مچلکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کے ساتھ | ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا پیڈ ہب اگر | عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا | غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہیں ایسی گھٹی کیوں ہو | خدا نا خواستہ جورو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہوا ایسا نہیں دلبر کوئی | پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
جذبہ دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا | وہ یہ سمجھے کہ ہے تہ بان کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں دگ کہا کرتے تھے | اپتو جب پٹ کوئی کہتا ہے چھپنڈ کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے | ناز اٹھاؤ گے تم اُسکے کہ چھپر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے۔ ہجو گوئی اور ظرافت میں ید طولیٰ حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالباً میر ماشاء اللہ اور میر انشاء اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجئے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ | سب کہتے ہیں یاوہ ہونگے انشاء اللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ　　لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بیگم — تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھیجوں گی سسرال میں تم کو حنانم　　نہیں مجھکو دو بھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو　　یہ احساں ہے سر پہ دگانا تمھارا
ہوا یاں بیگا جو مرزا ہمارا　　تو پھر ننگ ہے اور شانا تمھارا!

گھر سے گانہ کے دگانا مری مہمان گئی　　میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف پا، فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹۰۸ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ چہ مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہم نے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند ۔۔۔ چشمِ دل سے جو نگہ کی تھی بر دانے چند

شاغل و زندہ دل و راہِ حقیقت آگاہ ۔۔۔ بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند

خدمتِ قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں ۔۔۔ ہمچو شبلی ہوں و یا مہدی ایجانے چند

رات دن ان کے لیے شغلِ عبادت ہی ہی ۔۔۔ زر و پوشاک کی ان کو نہیں پانے چند

ایک چمن مال وہ فقیروں کو بنا دیتے ہیں شاہ ۔۔۔ آسماں پر بھی نہیں ان کے سے پاکانے چند

گو کہ چھٹنی کیطرح سے ہی یہ تند لال حنیف ۔۔۔ اس کے رتبے کو کہاں پہونچے سلیمانے چند

دلِ احقر میں یہ آتا ہے شب و روز مدام ۔۔۔ ترک کدم سے کروں نیا و ایوانے چند

پہری جمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے میں شائق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دلی کے ایک مشہور شاعر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ [illegible] ۱۰ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چالیس پچاس [illegible] ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا

سخن شعرا میں —

دنیا کے مرد وے مرے اور فنا ہوئے ۔۔۔ مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے
اب کے تو مرد کہیں نہ تھا بانہ بیوفا ۔۔۔ اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے
دن کو ہی آتا تھا تجھے ماہ صیام میں ۔۔۔ درگور مردوے ترے روشنے قضا ہوئے

شاہ پچھا۔ ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا۔ دہلی میں قیام تھا۔ وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ یہاں بیٹھتا تھا۔ وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا۔ میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں۔

دل مرا گر دلبر یار کے منڈلاتا ہے ۔۔۔ یہ شکر خورہ شکل چھوڑ کہاں جاتا ہے

پٹنیٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بدلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ملسکی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں۔

ڈیر پنچ۔ آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی غدر سے پہلے شاعر تھے اور پھر کبھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگر یختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے۔ سنئے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سنئیے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں۔ اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضائے انسانی لے لئے ہیں۔ جن کا فراق اور وصال میں ڈھکڑا دیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے۔ یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک شاد شاد ہو جاتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل و جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگین بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پٹینٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے — پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے — تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا — اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں — آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شب فراق — اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوش یار تک — سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں — لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں — کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

برسات آئی پھر وہی اگر بڑ مزاج ہے — پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام — نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبرآباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے کبھی کبھی اردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے ۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے ۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی ۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے ۔ ایک دیوان اِن سے یادگار ہے مگر نایاب ہے ۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا، قرشت

تبسم۔ مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹوگرافی کی دکان ہے۔ چند شعر ان کے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مرگیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا ۔۔۔ جسپہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا
آ دبا چا جو مرے طائرِ دل کو اُسنے ۔۔۔ ناز اُس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا
کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی ۔۔۔ کوئی سُسر کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا
خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش حواس ۔۔۔ عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا
در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں ۔۔۔ تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا
غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پاپی ہوگا
بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم ۔۔۔ یار کاہے کو جونپور کا قاضی ہوگا
جسکو لے لے کے مزے کھاتے ہیں انکے عاشق ۔۔۔ ہم نہ کہتے تھے اُسے وہ آم کی چٹنی ہوگا
کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آکر شیریں ۔۔۔ دب گیا گر کہیں پتھر سے تو پچکی ہوگا
تجھ پہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور ۔۔۔ عشق کچھ چور نہیں ہے کہ جو مخفی ہوگا
جس میں تہذیب نہو ہجو و ظرافت مہمل ۔۔۔ حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہجو ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم میں تاب ضبط غم نہیں ۔۔۔ وہاں وال دل پہ کہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساقی گریز کرتے ہیں پانی سے بھنگ پیو   گر لڑکھڑا گیا تو کہیں گر پڑیں ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو   پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں بننے تو دو
پاک ہو جائے گی سب دھوئے راہ عشق   صاف تم اپنی گلی کی نالیاں بننے تو دو
انڈے سے بچے گھر پہ جا کر دیں گے کیا فخر ہما   آشیاں ترقی سے جاناں اڑان اڑنے تو دو
آنکھوں میں ان ترک الفت دور از انصاف ہے   اپنے عاشق کو ذرا تو شیر واں بننے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر   شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۸۱۴ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے۔ اردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش، شمس البیان، ضرب الامثال انکی تصنیف ہیں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جا سکے مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا   یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رشاک
نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر   لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس   کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا   اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔
شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا   آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے میر تقی کے
بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے مصنف سخن شعرا
اور گلشن بیخار، دخمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے
مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور
نقل محفل بنتا۔ تاہم بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے
تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں
سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر
نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رستے تو وہ ہے جو رو دیکھتا تھا   الٰہی اس کے پاؤں تک سر لے آرزو پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا   کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

کریگے شکوہ کو موقوف میاں ہم جب تک   میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میرجان   دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصوّر۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس
کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت
میں زندہ تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی
میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے
معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام مقبول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بچھین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا ے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۸ھ میں دنیاے فانی سے رخصت ہوے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں　　کوئی نوج یوں ان کے نخرے اٹھائے

توتی ایران کی ایک مخدرۂ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ توتی بیچاری ان کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہوکر ان کو یہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش　　یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من تو صلح کنیم　　تو باکونش بساز و من باکیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی ——— میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا　　کا واک شدہ چونے از دلشت مرا
گر پشت بسوے او وشے خواب کنم　　بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی سست رگ کشت مرا　　روزے نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت　　بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے۔

ملا ہمہ ناز و غمزہ انگشت مرا　　تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوے من خواب کنی　　بگذار کہ واگرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹٹیری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریائے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں ۔۔۔ جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو ۔۔۔ اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے ۔۔۔ مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بکھیڑ یا دھان الٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیرت دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقائے حیات کیوں چھوٹنے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اُردو سے ماضی میں شاعری کیجا دے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کر لیجئے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغاں سمجھنا چاہیئے ۔ ماضی کی شاعری سے تجاوز کر کے ....
حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے ۔ اور
اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے
ہیں ۔ اگر صحت و سلامتی و مسارت ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصہ
نظم نذر ناظرین کر دیں ۔ میں موجد پٹینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور
تائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ دوسری حیثیت
سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے نزلی بے بدل پر
حاشیہ لاجواب یعنی خمسہ دندان شکن ۔ ہے

شہرگ یہ دم بدم مری گردن پہ ملتی ہے ۔۔۔ [illegible] کی نہر شب روز ابلتی ہے
گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے ۔۔۔ سینہ میں آگ عشق کی بہتر جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی سے سینہ میں چلتی ہے

تخنوں میں درد ہو گیا دھاک اڑائی ہے ۔۔۔ [illegible] پاش پاش [illegible] کمائی ہے
ہو زخم دل پہ نام کہ حلق میں ہائی ہے ۔۔۔ گردوں نے [illegible] مری قوت بجائی ہے
تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے جریاں کا آسرا ۔۔۔ [illegible] گلا
اُچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا ۔۔۔ [illegible]
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اس کی مارمیں ۔۔۔ [illegible]
الحدعا کہ شام ہوئی انتظار میں ۔۔۔ کروٹ بدل [illegible]
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

بیا غم کا حال ہوا ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ یہ حسن اتفاق ہے [illegible]

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق تارے گنا کیا ہوں پڑا جب شب فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اُچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دیئے ہمنے تار تک قرضہ بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک
ملتا نہ تھا ملا نہ اُٹھیں گُرسیاں بار تک دانتوں کا دسترس نہوا گوشت یار تک
سچ ہے کہ بد نصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں
جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہو ساری ہیں داغ ہیا جو رنگ تیرے منہ پہ ہو دل کے داغ ہیا
یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیا تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہو زکام برابر علاج ہو گرمی میں ہو بخار خنک احتیاج ہے
اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہو
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد - اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں - ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی نیرد ستیوں کی ایک تصویر ہے -

بازاری لڑکے آئے آئے جھم جھم آئے پنچ دوار سے ٹیسو آئے
پنچ بہادر کہاں سے آئیں ہمری الچ گرہ سن جائیں

پنچ — اتنا کیوں چلاتے ہیں — آتے ہیں کبھی آتے ہیں

ٹیسو — آج بات یہ ہم نے ٹھانی — لا یہ ہوئی ہمکا یا پانی
تنک تنک ہم بات بتائی ہے — رتی رتی حال سنائی ہے

ہندوستان — ٹیسو سارا بہت ستائس — گھر سے بھیک منگائس
بھکلنگی ال ثمر گنوادا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایس جوگ پڑا کچھ آن — چند چھین اس جا پان
کہو کہاں سے اب ہم لائی — دوسرے کی جو لگی بجھائی
جھنجھی کوڑی کی گھر ماں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کہیر منائیں

ضرورت — کہد بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جا نسے بیٹھے وہاں سے لائیں

ہندوستان — پنچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو کبھی سنتے ہو

بازاری لڑکے — پنچ بہادر چیتے ہیں — دیتے ہیں کبھی دیتے ہیں

ٹیسو — جھنجھیا ہمری بڑی کہانی — جھابیٹی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — جن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سب کی سنتا ہے — روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری — کہو تو جھوٹے کچ کچ کری

بازاری لڑکے — کھیلو کودو جانے دو — مرتی ہے مر جانے دو

ضرورت — پنچ دوار سے سنت کا لایو — سچ سچ کہو کہا پایو

ہندوستان — ہم کالی نہیں اک پائی — کیا جھوٹے دیکھا بھائی

ضرورت — اچھا اچھا دیکھیں گے — دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان — اسے بہنا ہم کا گن کینا — پھر سے کرم ہار سکا لکھ دینا
پاپی دیکھا کرم کا لیکھا — جا سے بھینٹ بھی دکھ دیکھا

۱

حرف ثائے مثلثہ

ثریا ۔ جمعیت علی نام تھا جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے ۔ غدر سے پہلے زندہ تھے ۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے ۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں ہوا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان "ریختی" کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا ۔ اب کلام نایاب ہے ۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں ۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دُھن نہیں
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ ننھی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے
میری سوتن کے الٰہی یونہی آگے آئے

دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی ہم جا پہنچے
ہائے نیتے کہ سنتے کیوں رات کو بھاگے آئے

شام سے سونپے منہ پھیرے مردوں کی طرح
آئے تو گھر میں کبھی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچا لاڈو تو نہ زنہار کہیں
کنواریاں خود تو بیاتی نہیں گھر بار کہیں

ان کو آنا ہو تو آجائیں وہ گھر ہے ان کا
مجھ کو کیا کام ہے جا سر پہ ہزار کہیں

آجکل کنواریاں بیگم بڑی چھتیسی ہیں
منگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں

ڈنکو ہر کام میں کیوں جھجکتی ہے پھر ماما
رات [illegible]

ماما کا ہے کہنا کٹنی ہے یہ اچھی خاصی   مجھکو کر دے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہرجائی ہے   ڈھونڈھ دے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو   اراپکی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں   مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

25 XII. 46

حرف جیم عربی

جان ۔ میر یار علی نام تھا ۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے ۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا ۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین دربار میں ملازم ہو کر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی ۔ مرنجان مرنج آدمی تھے ۔ جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر سنہ ۱۲۸۴ھ میں مجبوراً ترک وطن کر کے روزگار کی فکر میں دلی گئے ۔ مگر وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی ۔ پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی ۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدردانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے ۔ تا اینکہ سنہ ۱۲۹[illegible]ھ میں ۶۳ برس کی عمر پا کر پیوند خاک ہو گئے ۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُن سے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا ۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے ۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے ۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادرزاد اندھا شاعر تھا ۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال سنہ ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرہ شعرائے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں ۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر میں یہ عبارت دیکھی " زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا ۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد اُن کو معلوم ہوا ہو گا کہ خود سید انشا نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرۂ مہر جہاں تاب میں بھی انشا ہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

ارے ناداں پتن اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہو	رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں	سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن ہم ہاشمی کے بارے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصے سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی آمیز باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے دفتر بیکار کر دئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا بھی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپنا قانوناً بند ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اُس کا انتخاب کر کے کانٹے نکال دئے اور پھول چن لئے ہیں اور اسی انتخاب کو چھپوایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں بیگماتی زبان۔ لکھنؤ کے۔ روزمرہ شستہ کلام عورتوں کے محاورات۔ رسوم و رواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور　　کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

پھبتی کہی چراغ ہے بیٹے کی جھونجھ میں　　محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق　　کنبے میں بیگما کے دولہا جو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب　　برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے　　کہیں مشاطہ کر بیٹھا ہے اب مصری کی مسی کا
وہ دل در گور جیتیاں نے کبھی جو نام الفت کا　　کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
وہ تھے استاد ان سے جا لگا صاحب تجھکو کیا نسبت　　کیا ہے نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا
کلوارنی پہ مرتا ہے لعنت اسکی ریش پر　　قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
مشاطی سوت پر پڑے فالج مرا وبال　　پڑ جائے اس کے حلق میں پھندا شراب کا
سوم بنیوں سے جلا ہونے جو جوبہ کھیلے　　چال وہ مجھسے ٹکے گز کی نہ کیونکر چلتا
رہ گیا کس موسم کا پیٹ جو جنتی نہیں　　تیرہواں مہتاب کہ یہ چاند ہے شوال کا
سا اس نندوں کی محبت میں قربان گئی　　چاؤں میکے مجھے منگوا دو سواری مرزا
تم سلامت رہو صدقے میں تمہارے دولہا　　کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا
بیگانہ تھا کچا تھا وہ جن اے پریخانم　　کل سر پہ چڑھا آج نگوڑا اتر آیا

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکارا چپ چلے آئے — کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا
خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی — ہمیں تو لاکھ کا گھر خاک کر نہیں آتا
گرگٹ کی طرح کا لاکھی لال ہو گیا — غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا
بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکھے بال کا — راکھ مل کے نوچ یا نورہ لگا ہڑتال کا
آرزو بندی کی خالق سے ہے اک دن میری سوت — کھائے پھل لوار کا اور پھول سونگھے ڈال کا
خالی کے مہینہ میں وہ خالا نہیں رہتا — در گور مرے پاس رزالا نہیں رہتا
کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت — سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا
کیا ڈرتی ہے ماموں سے محرم میں بھی رنڈی — مو باف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا
اک پیٹ رہے ہمکو تو سو خطرے ہوں پیدا — مردوں پہ تو کوئی کبھی کسالا نہیں رہتا
حسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ رہے — صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا
اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب — مری نارنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا
خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ — یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا
کیوں نہ جائے سے میں باہر ہوں بھلا غلانی — اودھڑی دو بار کا ٹھیک آئی انگیا
کوڑھ دو ان چھاتیوں سے ٹیکے اسے جو پہنے — میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا
اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنائیں — اپنی جبر دو نکو موئے کنجڑے قصائی انگیا
چھپکے رہتے ہیں کھا حرام وہ کام — ایک دو بولوں میں حلال ہوا
خدا نے بد مستی کو قوم میں ان کی کیا پیدا — بڑا بہرا بات رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا
تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہی کیوں نہ — چھوڑا پڑا فتہ میں سنے تراجی دہل گیا
تصویر ان کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے — بچپن ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا
باجی دنرات کا پھر وہی جھگڑا نکلا — کوئی گل بوٹے گا پھر سوت کا جھگڑا نکلا
ہو نہیں تل ہے مری مہتابی کے بیچ ہی کہاں — چاند کے پیٹ میں خورشید یہ تارا نکلا

جان صاحب توبہ ہے رات کو خانم کے گھر
مجھ نجبتی نے عبث عیش کا سامان کیا

کہے میں دیتی ہوں لڈو خانم قسم خدا کی دیکھ لینا
نکال لونگی میں دونو دیدے کیا کسی سے جواب ایسا

میں پاس بیٹھی تھی دولھا بھیا کے گر دشتے تو ہونگے
کیا غضب کیا یہ تینے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جاکر سواری منگوا دو مجھکو صاحب
ساس نندونکی بولی ٹھولی کروں کہاں تک بھلا گوارا

کھانا چرا کے خوب نہیں لانے پان کا
منہ کی کہیں کھلا ہے نہ چسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر کھبی ہے نئی
انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خرابی ہے مری دو نو طرح
بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس مُئے بے پیر کا
تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس جبتک تھے ہر آن آشنا
یا دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا
مانونگی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا
منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر
دشمنوں کا مُئے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے بوا سال بھر ہوا

سو کہا سو کہا گورا گورا
کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل میں آکر بال ان چڑیوں کی چوٹی کا
ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے جھونڈے کا

لگجائے نہ کوسا کسی دل جلی کا ظالم
ہونا ارے مشہور بلا کو نہیں اچھا

جو قسم سے لٹورا کھتی ہوں اُسکے حق میں
چڑیا حلال کر دے تجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کدھر چلی بانگے بلی دکھیا ہوں
ٹھنڈا رکھےگا تجھے ادہی جلانا میرا

تم اگر دو گے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا
کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں
گھر والا گھر کو کتا ہے تو خفا نہ ہو گیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی
وہ اُسکی شکل کیا سمجھے ہوا قربان کی صورت

ہے دوالی سے سوا آجکا دن آج کی رات　　گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منھ شام برات کا میں نے　　خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے　　اور رد جاؤ بلا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہو وسے میسر مجھے وہ کھائیں　　بھائی کو بھائی کیا ہو کمائی کی احتیاج

نشہ پیتا ڈی کے جورو کو مارا بھڑوے نے　　نکل گئی مری بچی کی اک کتا میں روح

جیتے جی بندی کو اللہ دکھا سے سہرا　　مجھکو کیا لوگو جو گھر اسکا بسا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں بنی بخش بُرا ہے داماد　　رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا　　سوت بچہ پہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل ہوا　　بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی یہ تحقیق ہے سخن میرا ریختہ　　ختنے کو فوق کیوں ہوا سے باجی تو پر

جمعہ میں باجی ایک مسلمان تھا کہ یار　　بد حال اپنے گھر کے نظر آسے در پر

دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ　　لٹے گھڑے پہ بھنی پہ ٹکلے سٹور پر

نہ دیکھ دولھا کو سامنے ندو کے آگے گونگھٹ اٹھا اٹھا کر　　بہو نویلی دلہن ہے بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

ہنسا ہی بیاہ کو چھوڑ بیٹھے ستائی بندی کو گھر بٹھا لا　　بنایا تھا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ مجھسے فرق اتنا کچھ ان کے گھر میں ہو بھتیجی کا لی　　کروڑوں ان نے پنگا ڈالے گھرو ہے ایسے بنا بنا کر

لگائی سوسن نے ایسی مسی کہ جیسے جیٹھے نے کھائی چھچھڑ　　کسی نے ادا ہے تو میرا بچہ بہت آیا ہے پالا کر

خدا نے چاہا تو ٹھنڈے پیٹوں رہیگی سوچ کچھ لے جپہ　　بیٹی ہو اپنا سے بیٹی بھی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب سید جعفر ہے میرا انکی بیٹی کی کھاٹ انکی　　وہ سکھ نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے اسکی بچی نصیب پڑھا کر

ہو نہیں بڑھیا پہ جوانوں کے گلے کاٹی ہے کیا　　اب بھی یہ کند چھری ہے مرے دو چار سے تیز

سوت سے گالیاں نہ کھاوا سے　　تمکو ہوتا جو کچھ بھی اپنا پاس

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی　　کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

ماں سے ہمکو سوا ہے پیاری ساس — باجی دنیا ہو اور ہماری ساس
جوہر ان کے کھلے ہیں بہو دل پر — چھریاں تندیں ہیں اور کٹاری ساس
بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے — ہے وہ جلادنی ہماری ساس
کافی ہے نیک بخت کو بی جان ایک مرد — کسی کو دو چاہیئے دو چار کی تلاش
آج مجھ سے ہے تو کل اور سے مرزا اخلاص — ایسی ہرجائی سے ہو نوج نگوڑا اخلاص
کوشش بہت سی کی نہ ٹلا پر دنوں کا پھیر — لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض
کیا باجی بھیجتا وہ نکھٹو بھلا مجھے — چھٹے نہ پوچھی بات کبھی در کنار خط
ککڑی کے چور کا نہیں کرتا ہے کوئی خون — مہندی کے چور پر کیا تم نے ستم غلط
گالی جو منہ سے نکلی ہو کاٹو مری زبان — تہمت لگا رہی ہے تمہاری حرم غلط
ہر گھڑی آگے جیٹھانی مرے منہ چڑھتی ہے — ایک دو بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ
نرگس سفید پوش تھی بیمار ہو گئی — اودا دوپٹہ اوڑھ کے سوسن بنا ہے باغ
ایسی ہرجائی سے بی کون نباہے خانم — کبھی مجھ پر کبھی تجھ پر ہوئے مرزا عاشق
جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو کمائی پیچ کر — اوہی کیا ہوگا وہ جورو کا نگوڑا عاشق
بد لت اٹھاوگی آگے — اب تو نام خدا ہوا ہے عشق کے
چلتا نہیں ہے زور محبت میں اس پہ کچھ — عزت پہ جس کی چاہے نگوڑا اتارے دل
لاؤ یہ جی میں آتا ہے دے دوں نکال کر — کیا خوش ہوا ہے دیکھ کے تیرے اشارے دل
ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہونگی بیٹی — پاس مرزا ترا اوراد بہو کرتے ہیں
تماشا کرتی یہ بچی تمہاری پھرتی ہیں — میں ہوتے دکھواتی پیاری پیاری کھڑکیاں
ملا تھا ایک ہی لیلی کو اے دوا مجنوں — ہزاروں اس سے تو وحشی ہمارے پھرتے ہیں
دلی جو مرے بدنام میرا نام کریں — انہیں کی ننھی بڑی کو مرے غلام کریں
اکیلی جاؤ نہ مسجد میں طاق بھرنے کو — دوگانا جان تمہیں جھک کے ہم سلام کریں

سوت کی پھبتی نہ کھائی بانجھ دنیا سے چلی — دل ہی میں میرے رہ گئے افسوس یہ ارمان دو
پھٹکار کیسے منہ پہ برستی ہے چل پیچھے — منھ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ
مسجد کا طاق بھرنے نگوڑی چلے گی کب — کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھار کچھ
خوب گن سیکھے کنواری کھیلکر جیجش کے ساتھ — رات کو مسی ملی اندھیرے میں سوسن کے ساتھ

. . . .

دوسری مجھ سی لٹے صدمہ میں چھاتی پھٹ جائے — میں بھی برباد ہوئی اس موئے ناشاد کے ساتھ
شمع افروز کی بی چھاتی تو پھر پھبتی کہوں — تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھئے
یہ ورثہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی — دو چار پڑے اپنے ہوں دو چار تمہارے
ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھکو چال سے — چھوکری اندھی ہے لڑکا کم سنی ہے چنچال ہے
ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں سٹکتا ہے بوا — جان صاحب کی ابھی دیکھو حماقت نہ گئی
تانبے کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب — سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے
حلوائی کی دکان کی پھبتی نہ کیوں کہوں — دنرات آسمان مٹھائی کا تھال ہے
کیا ہوگا گلہار کھلائے موا بہار — میں پات پات ہوں وہ اگر ڈال ڈال ہے
کھلوا نہ ٹھوکریں مجھے در بدر مجھے — رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر بہ گھر مجھے
باتھن یہ جسے کہتا ہے پوتی بچار کے — پھندے میں ہم پھنسو گی اب تین چار کے
منگا دو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں — تمہارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر۔ مرزا من بیگم نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد شاہجہاں کے
ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں سے تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ
کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں
ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق پرتین سے متین شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا - یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں - جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام
نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی -

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی   تا صبح کیوں نہ ہووے چمن میں چٹا پٹی

آنکھ نین میں بس کہ سما ہے ترے لئے   ہے نیر سیاہ و سفید و پیٹا پٹی

پڑوے کیونکہ ہر اک بات میں تو تی و دو چھتی   صفا دانتوں کی روشن سب مسی میں چھپی

جعفر زٹلی - میر جعفر نام تھا - اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول
کے - بہر صورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے - اور ہزال بھی اس زور کے
تھے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعراء بھی آپ سے کانپتے - آپ کی حالت یہ تھی کہ
جب کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور
ایک پر ہجو لکھکر پاس کاہے رکھ لیتے - منزل مقصود پر پہنچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی
کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو نہو المراد - ورنہ غصہ کے مارے پارہ چڑھ جاتا تھا - وہ ہجو
کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس نداز کی رسم سے مطابق
اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا -

ایک مرتبہ ملا عبد القادر بیدل سے ملنے گئے - وہ ایک صاحب فہم و وضع کے درویش نہایت سیرت
ساکت خوش مزاج شاعر خوش فکر تھے - آپ نے پہلے از راہ کرم نوازی پہلے تو جناب کا کلام
سُنا طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا - بیدل نے اجازت دیدی - آپ نے کچھ مدح
کرنے کا قصد ظاہر کیا - بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی بیدل نے اشارہ
سے بھی باول ناخواستہ منظور کر لیا - آپ نے کہ جو شعر پڑھے ان میں کا ایک مصرع یہ بھی تھا

ع - چہ عرفی چہ فیضی نہ بیدل تو ہوش -

بیدل ایک ساتھ میں نہ رنگ سکتے تھے تو عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلا کر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہٰذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق وانسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آگئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا چانستان حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڑار نامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک کچھوا نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں کچھوے نامے کو نادر سخن ستی	سُن در حیا کہو گے مجھے اس بچن ستی
مشہور ہے یہ بات کھوے زمن ستی	کچھوے کو شیخ جی نے وغادی تھی فن ستی

تس کا کروں بیان خوبان دہن ستی

یہ ہجو اتنا مر ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹل نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹ — تا کے بود ایں گرمی بازار جوبن تو
تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی — یہ رنگ پتنگے کا اڑن ہار جوبن تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دوچند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسہ مورچھل — دمبدم از دمدمہ جاں درخلل
توبہ ازیں مسکن روزن فراخ — روز و شب آوازۂ پھسپھول شپاشخ
توبہ ازیں مسکن پر شور و شر — مرحلہ پرخطر و خوف و ڈر
پر خس و خاشاک بہ سر ٹوکری — نزد خرد بہتر ازیں نوکری
جعفر ازیں کوچہ دریں مورچھل — شرم حضوری بکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش — کہ گنجی بزد کرد پنجی دبخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوئے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفر اب کیسے بنے — افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفر اب کیسے بنے
در بیکسی تا بودہٗ با درد و غم آلودہٗ — مفلس شدی و در بدر کہہ جعفر اب کیسے بنے
از ہجو آن سلطان خود کردی پشیمان جان خود — درماندۂ بے بال و پر کہہ جعفر اب کیسے بنے
اسباب غم پرداشتی تخم فلاکت کاشتی — اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفر اب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانتے ہل ہانکتے کودوں کھاتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ؎

زخان جہاں شاہ گیتی پناہ — زبیداد جواں ز ٹل داد خواہ
جواں پڑ گئیں در قبا و ازار — نئی آئی مشکل یہ دلی دیار
رکت کی جو پیا میری پیاسی بھریں — کہ حیران و ہلکان مجھ کو کریں
لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں — بغل بیچ دشمن مری ہو رہیں
جواں مارتے مارتے شب گزشت — وئے یک جوئیں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دئے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیدا آگئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آکر کبھی پیچ و تاب نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے ۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے ۔ انکے ایک ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے ۔ وہ جیسے مزاج و خندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے ۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے ۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں ۔ رنگین مزاج ہیں ۔ مگر علم و فضل و فنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے ۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں ۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے ۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایۂ ناز نظموں کا دار و مدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں ۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں ۔ میر جعفر کو خبر ہوئی ۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دیل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی ۔ پند و نصائح بھی ۔ عزت بھی ۔

جعفر اندر جہاں معاذ اللہ ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بہ کند آہ آں زن زلنست مرد کہ خر
آرزوے دلش بہ دل ماند خود بپے نان خراب و رسوا تر

بہ زن کردن درافتادم بگرداب پریشانی — دل و دین رفت و نسیاں شد سرو برسم غمخانی
بلے خوش گفتہ مصرع جعفرا این از رہ فطرت — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانۂ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اسوقت تو جعفر خاموش ہوگئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت رویین تنم — کہ دہ پاپڑ از مشت خود بشکنم
کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر — برآرم دمار از سر مور تیر
کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من درآرم بہ بند
بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم پسوے لنگ را
بہ صد حملہ بال مگس بر کنم — قطار دو صد مور برہم زنم
اگر بہ زنم پنجہ در دال بھات — فتد ہیبت و خوف من در جہات
بدوزم بہ نوک سناں دودرا — شگافم بہ چنگال فالودہ را
دریں دور ثانی رستم منم — بتاسا بہ گرز گراں بشکنم
بہ ہنگام خشم و تردد تلاش — کنم غرق انگشت در دال ماش
من آن شہسوارم کہ روز نبرد — برآرم ز پشت از پنبہ گرد
چناں بشکنم رشتۂ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

دلاور مفلسی سب سے اکڑ رہ به عالم بےکسی سب سے اکڑ رہ

چکن اور زر کا چیرہ پشم کر لوچ چھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہ

اگر شلوار نباشد کس کو غم ہے لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو
انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تونگر این تحمل آبخورہ تابکے شربت قند و گلاب کورہ کورہ تابکے

کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و مال شاہ پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تابکے

کل شیٔ ھالک جعفر زباں را بند کن این سخنہائے زٹل پھکا پھکوڑہ تابکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفرنامہ لکھکر
قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی
نہ ہوسکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفرنامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ دہا نک بلی کہ در ملک دکھن پڑی کھل بلی

برآمد و عسکر بصد دھوم دھام کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام

دریں پیر سالی و ضعف بدن مچائی دھما چوکڑی در دکن

زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد زجا

کمر بستہ ہشیار میدان پر شب و روز تیار گھمسان پر

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے
دوسرا ان کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جگت میں کر گئے تخت اور چھپر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا

مولا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ آباد میں خبریں گئیں بغداد میں آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہوگیا تھا - اور بجائے ژٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہوگئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں -

جعفرا بر سر عروس جہاں — چند پاپوش و چند کہلہ بزن
زانکہ ایں با کسے نکرد وفا — بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا - بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ - اور ہاتھی - اور ایک لاکھ روپیہ دیا - مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا -

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اُردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے -

(۲) رقعات نثر جنہیں تلازمے - اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے -

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جنہیں تلازمے - ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے - اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے -

(۵) مصطلحات زمانہ - یہ لغت کے طریق پر ہے - زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کیموافق اسمیں الفاظ کے معانی بیاں کئے ہیں - اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے - اُنکی لغت بھی اُن کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں۔
حصہ نظم۔ جس میں ظرافت۔ واقعات۔ ہجویات۔ رقعات۔ دستور العمل۔ پند نامہ یعنی رجز۔ نسخہ جات۔ مسئلے۔ غزلیات۔ مورچھل نامہ۔ کچھوے نامہ مسدس۔ ظفر نامہ مراثی۔ سپش نامہ۔ تضمین قطعات۔ اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔
اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو۔

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد جنگجو۔ در چال ٹھگے مرد جو — دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار ہے
جورو لڑاکا گر بود پر خوف و ڈر آں گھر بود — وہ گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار ہے
جو نار چنچل چال میں ہستی بھجن جنجال میں — کالا توے کچھ دال میں از ترت ہو زنہار ہے
جو رانڈ ہو کاجل کرے چوٹے چندن پر مرے — چوڑی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار ہے
گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب باقی نہ دے — بیٹا جو وہ یاری نہ دے ایسا پسر سقتن فی النار ہے
سسرا جو ہو دل تنگ جی مسکین خویش ننگ جی — داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ مردار ہے

جعفر بہ بستان جہاں دم غنیمت است — شادی
دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا — زاں ساگ خام ہم غنیمت است
گر ایک صفا نبود رو بہ کار تو — یک چھچر گدہری پالم غنیمت است
آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو — آواز بول بیگم و خانم غنیمت است
تربوز و خربزہ نبود گر میسرت — یک سیر پیاز کھیرہ بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ

کروں اب خبر شہر و بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو

خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا

بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد

چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او

تڑاتڑ سڑاسر لگی لاگنے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے

پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشنداس کا تال گنڈا کیا

دریغا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامہ چڑیاں دار او

چو این ماجرا جان بابا شنید — دوادو دوادو بپاپے رسید

زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا جھپٹا یا لگڑ بے شتاب

جہاں میں کروں آج میں بوہڑی — کہ گیدڑ کے منہ سے چھٹی لومڑی

خدا یار مسکیں وہاں دم کٹا — بلیا کے نیچے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھو داس چوکی نویس

سگ لینڈی ازو سے نکوتر بود — کہ از عفت ناف مردوا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

ستودہ خداوند گیتی پناہ — تو ای وارث و مالک تخت و جاہ

بدرگاہ تو ہر کہ گشت پیشکند — خدایش بیک لحظہ چیتا پشا کند

جو تجھکو برا من میں جیتا کرے گا   غپا غپ شپا شپ کے پالے پڑے گا

من از ضعف چوں پاچونی وبچو سیم   نہ چوری سرا فیل منگلو سیم

مرا طاقت ٹکر اد کجا است   تن و توش آنکس چو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برد کر دیئے انھوں نے ہجو کہی جسکا یہ اثر ہوا کہ قمر النساء بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے ۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے   فتح خاں کی آنکھ..... نکلے

مدح حسن معشوق

جعفر چہ ہیسی باشد و کیسا بانکی ہلیا   بر حسن تو جبریل گرفتار جو ہے سو

باتیر اناکانی و برچھی تغافل   امروز مجھے مارنہ اے یار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

ذرینا کہ جوبن چلا روس کر   اَلّلے تَلّلے کا گھر موس کر

ارے ہائے جوبن چلا جائے ہے   چہ چارہ کہ کم کہتے رہے ہائے رے

مرا عشق و اٹکھیل پن از تو بود   شب و روز البیل پن از تو بود

طفیل تو بود ایں کلیل و چھلانگ   بیل تو بود ایں الول و ترنگ

جوانی ز من چوں شنید ایں بیاں   بکو گفت در گوش ہوشم عیاں

کہ اے کل پڑے پنچ ہر دکھنہ پال   توئی میزبان و منم میہمان

ندانی کہ مہماں نگیرد قرار   بجز ایک شب یا دنا دو سے چار

بروصبر کن با بڑہا پا پساز | ازیں پس مکن پا بہ غفلت دراز
بڑہا پا بود مغفرت خواہ تو | سود تالب گور ہمراہ تو
جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں | کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوط | در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت | آنکس کہ شکم سیر بہت کھوہ نباشد
بر تھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ مسند دل | تا رشئے تو فردا چو سپہ توہ نباشد
بے سود بود توبہ بہ شیبی و بہ پیری | منظور چنیں توبہ پچہلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب | کٹاوے لڑاوے بہ فن و فریب
نقارے دماموں سے دھول دھول کیا | بہ سرناو کرنلے بھوں بھوں کیا
عجب اوٹ ایں کھوٹ بیجا پور است | کہ ہر برج او مثل بہنہ سر است
چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاو | کہ انگشت را نیست در وے نگاو
لگا کوٹ کو مورچہ جاسے کر | نکالا سکندر کو انگلا سے کر
زہے بادشہ او جٹڑ و دیو بھوت | بلی و ولی نعمت چار پوت
ازیں ہیں بیٹے نپٹ ناخلف | پسر خود خلف بہ و گرنہ تلف
وگرنہ چہ یارا حسن شاہ را | کہ گرداند امر شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ باشاہ باز | بہ ہیجا درآید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند | چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ با زہرہ و مشتری | بہ نخوت زند دعوئ ہمسری
چہ گیدڑ چہ لومڑی بہ پیش پلنگ | چہ جھینگر چہ مچھی بہ پیش نہنگ
چہ جگنو کہ دعوای رائی کند | چہ کھٹمل کہ پر چار پائی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود | چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند | چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبد الرؤف | کہ دیکھے نہ ٹانگوک سے چول حروف
چہ مدنا جی پنڈت چہ مرزا خلیل | بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
در آفاق بسیار چکر زدم | بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز | ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

سپش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ | زبیداد جواں زٹل دادخواہ
جوئیں پڑ گئیں در قباؤ ازار | نہ آئی مشکل بہ دلّی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی | چو دیدم کہ فوجاں جوانکی چلی
لڑائی پڑی جوّاں سے وقت رات | جواں کا چلا منہ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت | دے یک جواں از میاں کم نگشت
کروڑوں جوئیں اور اکیلا منم | دو نوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ ایں قباؤ ازار | پھروں کھیلتا میں جو دولے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب | کہ از زور جواں خورد پیچ و تاب
جو راکاس جواں کند ترکتاز | شود سرنگوں طرہ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور | جواں مارنے میں نرکھیں شعور

محمد امیں خاں بڑے سار دھول — جو ان سے گئے چوکڑی مار بھول
جو شمشاد خاں جی بڑے شرع دار — یہ پیش جوان کھول ڈاریں ازار

جوانی بگذرد در عسرت حال — بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں سخنداں — بداں ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زرکوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آں صنم تنہا نیاید از من آب — میکشد زاں داز یک غربیلہ ز روئیں آفتاب
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ ہچل آسیا — مے جہاند از من او دریالت کرد یدن آب

جگت ۔ جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سن ہجری قریب قریب ۳۲-۳۳ سال کی عمر ہو گی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر عیوب کو فروگزاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ دوہڑا۔

بڑے بھنڈار ہولی کے جو بھیا بھرے تن پائن — گلوا بیچ کے لوا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر — بچھونا پھر رسوئیاں والے گھر سے مانج دیکھوائن

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین جو تھانیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے — ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے — چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے" یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوش مزاج ہوتے ہیں۔

رواں جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا — تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو — جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیر کو — بنا میں ہیکڑی سے یہی چوکیدار پھرتا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے اسباب عسرت کا — کہ شکل اپنی بنائے شکل موسیقار پھرتا ہوں
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجیے — اسی کے واسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف ہوں نہیں سمجھے — کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

اُس پہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر — شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے — میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ — تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب — اک جوالی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گوں — اور الجھی رہے تو جالی ہے
ہم غریبوں کا بسترا کیا — اک پرانی پھٹی نہالی ہے

مت بڑا مانو جمیل اسکا   اُس کی گالی نہیں سہانی ہے

جوشش۔ ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا۔ مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے۔ ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے۔ اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۹۳ھ میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے۔ ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے۔ جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا۔

بیٹھے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گذرا   بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا۔

جوکر۔ حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں۔ گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی شگفتگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے۔ مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر [illegible] کے نام سے واقف ہے۔ آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے [illegible] ہے۔ آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے [illegible] ہیں۔ اسوقت ۱۹۳۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی [illegible] کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اسی پہلے کلام کو قند مکرر سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کھل کے مرے سوگوار سے　　تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا　　کہ اُن کی چھجے کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں فغاں ہوتا　　تو لیلیٰ کے اوپر اونٹنا سپر سایہ باں ہوتا

کسی کے کان پھٹ جاتے تو کوئی گونگا ہوتا　　اگر بندہ نصیب دشمنان مجنوں فغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا پیٹ پالی　　کرا یہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پڑتی　　جو اُٹھکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسیں چھینے سر دشی تھے بناتے جھنڈیاں انکی　　جو سے میں سیر اگر میاں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر شب وصل کی راتیں　　اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں ساربان ہوتا

کبھی کے دس گھر یکے کھیلنے میں کام آ جاتا　　مرادل دل نہ ہوتا کاش لیلیٰ کا جیاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی چھجے میں گھستا　　مرے صیاد۔ جو کرتا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمی روز شمار سے　　مردے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو چولھا بنانے کی یار کو　　کچھ گھٹے کھود لے گیا میرے مزار سے

لنگڑیاں نکلے ٹاکر و نکی زلف و تاکی گرہ　　الفت میں پیچ پڑ گیا اب مانگ دار سے

وعدے میں تیرے جھوٹ کا بوجھ اسقدر ہے　　جو لد کے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی — اس رشتے سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی

کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی — کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی

جب پردۂ محمل سے لیلیٰ تھی تماشائی — مجنوں نے حماقت کی گرچہ نہ دکھلائی

عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی — یہ کہتی ہوئی بھاگی مردود یہیں کیوں آئی

کیوں سہہ کے کش ناکس مردے کو جلاتے ہو — ٹھینگے میں نہ ملجائے اکڑو نہ مسیحائی

دم ہم ان کا دم رخصت کام آیا بہت میرے — وہ بیٹھ گئے اٹھ کے جب چھینک مجھے آئی

کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں آتی — اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی نائی

یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں — تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی

جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو — آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے — داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے

صیاد کا بندہ ہے سگ جھوجھو کا دشمن — اللہ کرے گر پڑے پھنکی پہ یہ جا کے

جو آہ مرے صبر میں حائل ہوئی اسکو — بالائے ہوا پھینک دیا ناک چڑھا کے

دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک — رکھتا ہوں ہر اک باغ میں بچھو پچھ لگا کے

کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے — رہتا ہوں دریا پہ میں گھوم گھما کے

جب مجھ کو کھل جاتی ہے جنتو کی کبھی آنکھ — دیتا ہوں اذاں اونٹ کے کوہان پہ جا کے

چکر ترے انداز نظر اخت کے لقمہ تھا — رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اس بت نے نرے جانا — بجوائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا

مقتل میں یہ کہتا ہوں قسمے کہ نہ گھبرانا — جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا

مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا — اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

ساقی سے مرے کس کی ہمت ہے جو مے مانگے
اک ہاتھ میں بوتل ہے اک ہاتھ میں پیمانا

آہ دل سوزاں ہے یا آنچ ہے جلووں کی
عشاق کی محفل ہے یا کوئی چرس خانا

دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں ہنڈک سے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دھوبی روئی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے
کہ سارا چوک ہے اور ایک جم کر کا گریباں ہے

ادھر دریا سے خوں جاری ادھر انبار فرزوں کے
یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے

انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جو نہی دیکھا
تو میں یہ کہہ کے بھاگا اب یہاں کچھ اور ساماں ہے

عجب کیا ہے جو وحشی ہر کنوئیں سے اپنی باندھ لے
اگر سب ہانکے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے

دسہرے میں جو پوچھی اس نے خیر و عافیت دل کی
تو فرمایا کہ دو ٹیسو تو زیب طاق نسیاں ہے

کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل
لیے ہے چیتھڑے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے

زمیں کے اس طرف آباد ہیں سب اہل امریکہ
تو کیا یہ ملک بھی منجملۂ گور غریباں ہے

ہزاروں ہی سڑی سودائی اس نے کر دیئے پیدا
میاں خوب کہ یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہے جب اس نگر میں کشادی چھپ چکی ہوگی
ہما اچھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی

جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری بیت جی ہوگی
پہنچے گے یا نہیں گنگا نگر میں ڈھولکی ہوگی

شرکائے بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو
وہ آتے ہیں نقاب الٹے ہوئے بے پردگی ہوگی

نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے دیکھیں ہوں گے
دکھائی آنکھ اگر تجھ کو تو انگلی جھونکدی ہوگی

اسے تو آپ ہی شاید کہیں گے اپنا دیوانہ
کہ جس کے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی

میں سنتا ہوں کہ معشوقی کی معدوم ہوتی ہے
وہ کیا شے ہے جو اس نے قتل پر پہلے کسی ہوگی

گزر جائے گا کوئی انتظار شوق چلت میں
خدا کی مار بیٹھ اب یہ کنگھی ختم بھی ہوگی

بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی
خدا چاہے تو برسے میں وہی مصطکی ہوگی

طواف کعبہ کرکے بھی مقدس جو نہیں ٹھہرا　　خر عیسیٰ نہ ہوگا میر حج کی تو گدھی ہوگی

وہ سے یہاں کے لئے ہے پیٹ وہاں کیلئے　　پچھان ہاں کیلئے ہے زباں پچھاں کیلئے
کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے　　میں صاف کیا کہوں جیسے کہاں کہاں کیلئے
لگائے یار نہ جوتہ تو دل درست نہ ہو　　یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے
میں تنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لٹھے　　بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے
ہزار عاشقوں کا خوں کیجئے لیکن　　کہاں وہ بات جو تھی قیس ساربان کیلئے
یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے　　دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جو بیندہ یا بندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص - مگر اودھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا - حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے -

دل سوئے دلربا روانہ ہے　　واہ کیا منقلب زمانہ ہے
جورو کہتی ہے وہ میاں کو طلاق　　مرد عورت میاں زنانہ ہے
جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن　　میری شیریں کا وہ دہانہ ہے
آجکل کے حکیم ہیں عطار　　سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے
مسی اسدرجہ گہری کتو پی ہے　　اُن کا منہ کالا جیل خانہ ہے
غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال　　دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے
جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق　　صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پہ
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا شاعرہ ہونا دودھ میں چاے کا ہوتا ہے۔ سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطباے حیدرآباد کی نومشقی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور ہمیشہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اُردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

بھلا کہئے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میری ۔۔۔ مجھے بلوا کے خود ہی آپ نے لی داستاں میری

اندھیری ہی ہمیشہ بھلی لگی میں اسی کی قدر کرتا ہوں ۔۔۔ شب مہتاب میں اکثر ہوئی چوری یہاں میری

جناب شیخ مجبوری ہے تو اب الحذر ہے ۔۔۔ کہ سب کام آگئیں نیت پہ نیت مرغیاں میری

ملٹھی کاسنی کب تک کہاں تک خطمی و خیری ۔۔۔ دوائیں اب تو پہ لوٹے حکیم نیم جاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الاعظم سب تذکرہ نویسوں کے یہی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اوّل اوّل مضامین غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے" لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے اسکو اگھوری بنا دیا۔ گویا یہی اس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچ مچ حلال خور

سمجھا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گرو کا پیر کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پاتراب کے بنگل کے کسی کونے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گو انھوں نے کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڑ۔ اور دوسرے کا جیفہ تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو ان کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے بعد ان کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف کئے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

تو ہاتھی جیسی ہوگی اگر دن کو ہو گھیرا آبدست — مدّی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک
گھر سے ہی رہتے ہیں اغیار بھی اس ترک کو — لینڈیوں سے بند کیا ہے شہرستاں کا تپاک
موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو — برق باراں سے نہ چھپتے ابر باراں کا تپاک (۱)

جب سے پڑھا ہے شیخ کا مہتر لپیٹ ربط — بدلا ہے گو یا کبھی چھی سے ان کی قبا کا رنگ
پاخانہ اسکے فیض سے رشک چمن بنا — گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دھار سے بدتر ہیں سمجھتا ہوں اُسے
کسکو دھمکاتا ہے چمکا کے وہ دھارا قاتل

سنگئیں ہو گئی ایسی مری صورتِ نزع
ہگ دے دہشت سے جو دیکھے مرا لاشا قاتل

دست پر دست چلے آتے ہیں لے جلد خبر
ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل

دست بردار ہو ان باتوں سے آجانے دے
قتل چرکیں کو نہ کر گو نہ اچھلوا قاتل

بھنگ آتے ہیں دنیا کی گوہا چھی چھی سے
ہو قبض روح نجس چھوٹیں اس عذاب سے ہم

فلک ہو طشت سنڈاسے ہوں پھٹکیاں گو کی
جو گو کے چھوٹ کو نسبت دیں آفتاب سے ہم

ہو اُسکی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کا گھا
یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم

بنا ہے چرخ بہر طشت کہکشاں کھڈی
ہگے گا کونسا شوکت نشان نہیں معلوم

ہمارے پاس بناتا ہے گھر جو اے منعم
ہمارے ہگنے کی کیا داستان نہیں معلوم

ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں ہم چرکیں
جہاں میں کسکو تمہارا مکاں نہیں معلوم

دماغ کو یہ خوش آتی ہے اُسکے موت کی بو
کبھی نہ سونگھیں اگر دے کوئی گلاب ہمیں

سڑے کسطرح سے گو ہگاتے پھریں گے تلک
چال اپنا دکھا او پری شتاب ہمیں

کپڑے چرکیں جب بدلتے ہیں
عطر کے بدلے موت ملتے ہیں

نہیں کہتے ہیں غیر ہمکو بُرا
اپنے منھ سے وہ گو اگلتے ہیں

کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذقن
نہ تو گلتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں

بزم جاناں میں پادتا ہے غیر
ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں

تیرے بیمار کے تلے غمخوار
پوتڑے دمبدم بدلتے ہیں

طبع چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے
گو کے مضمون جس میں ڈھلتے ہیں

سگ دنیا جو ہیں کب جود و سخا رکھتے ہیں
گو بھی ہاں کسطرح سے وہ چھپا رکھتے ہیں

گوہا چھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے
گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا رکھتے ہیں

گوز کی بو سے معطر ہے چرکیں کا دماغ
تجھسے امید یہ اے باد صبا رکھتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوز شتر بیہودہ محمل میں
پئے جنازہ گوز مثل جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو قارورہ ملا ہو اس قدر ان کا
مصاحب جا بجا نکہ بیت الخلا میں یاد کرتے ہیں

اٹھائے گو مرا کیونکر نہ مجنوں وحشت میں
سعادتمند لڑکے خدمت استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کردیا مجبور یوں مجھکو
چلا جاتا ہوں ہگتا پادتا جب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے
رغبت نہ کرے گو یہ کبھی زاغ کماں کا

سنڈوں کو کیا بول سے اگر دیجئے تشبیہ
پاخانہ میں عالم ہو کیا بی کی کماں کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں ہگنے نہ پائے
مہتر کو یہی حکم ہے اس آفت جاں کا

پھر گفتگو سے پوچ لگی آنے بیچ میں
پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا

گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال
بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تونے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا
گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ
گوز اک تونے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے مینڈکا طفل اشک غیر دامن پر شیلے
موت بکھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں

پاد اونی سا ہے چرکین ترا سے بولادہ شیخ
دب گیا ہوگا وہ گوز سکے خس و خاشاک میں

موت سے کہتا ہے پہنے اپنے کوچہ میں وہ گل
اس روش کی آبجو کوئی گلستاں میں نہیں

چرکین غرض نہیں گل و گلزار سے ہمیں
مطلب ہے پاخانہ دلدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرض حال تو کہتا ہے گو نہ کھا
ہوتا ہے درد سر تری گفتا

کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے نہ پیدا
تو بھی چرکین

گردن شیخ پہ رندوں نے رکھا بار گناہ
کھا

گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بول

کوچۂ یار میں پھولا ہے جو گو کر مستی

اُسکے ردّی خانے کی دیوار پہ کنگرا

بڑھتی ہی صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری　　چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے　　نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہے یہ اسکا منھ سڑے یا رب　　چراغ اسکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی　　کٹھل ہوں باغ جنت کا دھتورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب　　اور انڈے جو بچیں میں دو دو پیسے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں بکنے کو ہیں برگد کے پھول　　دیکھنا ہو جائیگی کو دو دن کے لیے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اس کے آشیاں کو دیکھنا　　آج بچوں میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ　　نہ ہیں اس پار نہ اس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر　　اب تو جیسے کہیں تیار ہیں آپ
دیکھئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب　　نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات　　در پر رہی کسی کی سواری تمام رات
گائی جو آکے ان کی کہاری تمام رات　　ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں　　اسنے چلائی زور سے آری تمام رات

سنتی تھیں سرخ مرچیں گر تری تلوار کے پھل ہیں　　تو کیوں منھ کھولتے ہیں زخم دامن دار کیا باعث

روٹی نہ ملیگی جو ہوا تجھکو خلل آج　　اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا گو ٹال دے گا ہر وعدہ
کھانے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں عمل آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا
منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح

بگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے
چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح

دیوار یار مینھ نے گرائی ہے دوستو
اینٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح

باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے
کنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح

دیکھا نہ ماکیان چناں کو کبھی کڑک
انڈے دیئے گئی وہ انیفور کی طرح

اعضی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد
سب سے جھکوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد

میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں
حیوان میں بھی ہوتا ہے مادہ کو نر کا درد

چونے سے پڑ گئے ہیں لب آں کے منہ میں چھالے
پھولا ہوا ہے پورا گلزار منہ کے اندر

پانوں کے نام سے وہ پوچھا ہے میں چونہ
تیار ہو رہی ہے دیوار منہ کے اندر

یار کے شوخ خطوط کے قریں کچھ خال ہیں
گویا آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس

جو بناتے تھے مکان یار خاص
مر گئے افسوس وہ معمار خاص

دوسرے خیاط کی کیا جان ہے
سی نہیں سکتا تری شلوار خاص

گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا
لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض

کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو شوق ہے
وحشی ہیں ہم اگر نہیں ہے میدان سے غرض

ممکن ہے بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط
کچھ آہیں سستی ہیں یا کروں کچھ چناں ضبط

گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے
ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط

جس طرح سے چھینے گئے ہتیار سبھوں کے
ہو جائے الٰہی دل مضطر کی کماں ضبط

ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ
ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میری بھی جاں ضبط

آتی ہے فصل محرم جا کر گھر گھر ملنگنے
پر جلاؤ میری تربت پر جہاں سے پاؤ شمع

کس جرم پہ جلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری
دکھلاؤ تو لگا ہے تری کھچڑی میں کہاں داغ

دل بیٹھ گیا ایسا مری جان لپٹ گیا ہے
اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

میرو میں وہ شاید مجھے مشہور کریں گے
دل دیتے ہیں جو نہیں دکھاتا ہوں کہاں داغ

فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم
المختصر ای یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھسے دوڑ کر
جس طرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک پورا بھر کے بیٹھا کوہکن
ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق
بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پہ عاشق

جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی قیامت
کھچواتے ہیں نہ کیونکہ عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد
معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سے عاشق

نادیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر
فلفل سے خوشی میں کہتے ہیں کبھی سامنے آگ

رات بھر رہتی ہے کھڑ بڑ اٹھتی ہیں سیاں
اے چناں وہ کو بند آتے نہیں سے آگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل
گر گئی بھاگنے میں جیب سے تقلی قاتل

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اجل
اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمل قاتل

تھک گئے ہیں لیٹے ہیں یار ہم
کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
کل چرالے تری تلوار ہم

رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر سر
بیچتے ہیں یہ در شہوار ہم

رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح
وہ رہے اس پار اُس پار ہم

قصر دل کی چھت مرمت کو ہے قصد
مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں
ناک پھر بہنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق
ڈال دے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں دوشے جام شراب
چھکے چھوڑا دو اپنے چناں میاں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں — کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ — کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا — رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ — چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں کھال میں

اب چنی بیگم جواں ہیں لے چناں — اپنی شادی کیجئے اس سال میں

اسقدر بالوں سے رگڑا تن بدن — سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ

شکل حوا سی نظر آنے لگی — کیوں لگا یا قد آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے — میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے — کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں — جوئیں جھڑنے لگیں لاکھوں زباں سے

بلندی عمر پر کہتا تھا یہ قیس — مری لیلے نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال — زمیں چپٹ ہو گئی ہے آسماں سے

ہے اس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع — چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے — سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے

جسکے چٹنے سے لہو بند ہوا اے صیاد — تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی — نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں — گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ ساتھ خیرے کے مل مل کے گاتے جاتے ہیں — میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجاتے جاتے ہیں

چوں چخ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے ڈھول وحقّہ پنڈت ہیں مولوی میں ... اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر ... چاول پکائے جاکر مرگھٹ پہ کھوپڑی میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا ... الو نہ بول جائے دنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو ... میری تو عمر گذری بس تو دکنیسی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن ... اب ہر ہوس کا بندہ آجائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت ... تہذیب تو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جس دن ... دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اسے چونچ تجھپہ ورنہ ... یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپڑی میں

چچھ خوش سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپنے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے ... شام ہی سے جو در دلبر پہ سو جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی ... کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے ... زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مرجانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک ... یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل ... اک سرا دوزخ کے اندر اک سرا تھانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نرنما ... فرق اب باقی زمانے میں نہ مردانے میں ہے

مادر قیس نے لیلےٰ سے کہا سن بیٹی ساتھ اپنے مرے بچے کو نہ حیراں کرنا
نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت یعنی ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا
لیکے خوش خوش تو چلے سہرا آبینڈل کام بندر کا نہ اے حضرت انساں کرنا
ہو مبارک تجھے اے عشق کے پکچر پلیس قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا
کی ہیں اس شوخ نے جیلر سے خفیہ باتیں اس چہ خوش کو بھی ذرا داخل زنداں کرنا

ایرو پلین عشق کا جب لے اڑا مجھے اک تل دیار حسن نے دکھائی دیا مجھے
ہے صاحبان عشق کو لازم فسردگی مٹی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا مجھے
مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے
کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی اپر خدا کی مار لگی ہتھیا مجھے
ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بدنما کچھ ایسا منہ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے
ہنستے ہیں کیوں مرے اشعار پہ چہ خوش سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے دشت میں اچکنے لگا مجنوں لیلے کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے
جو فیض جسے حکمت قدرت سے پہنچ جائے منصور کا پرواوا بھی منصور نہیں ہے
بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے
در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے
ٹھڈی سے چلی جاتی ہے بکٹ تجھے تانت دم نور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے
اے جان مجھے ذبح نہ کر گھر سے کرنال تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے
ہے عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حا حطی ۱۴۰۰ ھ

حالی - خواجہ الطاف حسین نام۔ حالی تخلص۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب
کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہونچتا ہے۔ آپ پانی پت کے رہنے والے
تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد
اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور
اہل قلم میں شمار ہوے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا۔ آپ کے مفصل حالات جا بجا ملتے
ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری
سے بحث کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا
حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ
مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے۔
جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ
ادب پر لگا دیا۔ جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں
جدید طرز پیدا کیا۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا۔ مگر ظرافت کو پھکڑ پن
یا ہزل گوئی۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود
رکھا۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس پر
سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں۔ جہانتک غور کیا جاے مزاح اور خوشدلی
کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اور ظرافت سے حقیقی
مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقولیکہ

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آئے — جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گُدگُدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحانِ جوانی کی بہار آخر جیف — طبع رنگیں تھی جو عشق کی جب متوالی
اپنی روداد بھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں — جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے، نہ چاہت ہے، جوانی نہ امنگ — سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھیئے تو کیا لکھیئے غزل میں آخر — نہ ہی چیز وہ مضمون سمجھانے والی
ہاں مگر کیجیئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں — لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصلِ صنم کی کبھی فرضی تصویر — کیجیئے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
پہ یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل — قصہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیرزادوں میں — لازمی ہیں وہ آپ میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں — جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال — وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تلک اے ناتواں یہ حب مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
سنکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیب دشمناں — آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اسکو یہ آب و تاب مثال
کہا فتیلہ اقرار باللسان ہے ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل — نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہیں بخت ملا — دولت و بخت ہے ہر حال میں انکے ہمراہ
نہ انھیں حاجت اعوان نہ تلاش انصار — نہ انھیں خوف بد اندیش نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جب قوم میں او یکجہتی — اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مضیق ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دست قدرت کے ہیں سب ہاتھ سفید و سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر — کر دیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے — فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطہ ملعون تھا یہی جسکی بدولت — تھا دل میں خدائی کا خیال اسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم — اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا — جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے — نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑھی[1] گئی یہ ایک برس نیل کی رو میں — یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون — ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے — ہو جسقدر فراہم یارو اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آآ کے جو لوگ — تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی پھولنا تم — وہ گویا تمسکو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک — نہیں اُنمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی برکت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج — وہاں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار — قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی — سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

---

[1] دلی کے نواح میں باڑھی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

بہ صد مگر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو وہ بھی اُسے دیتا ہے انفعال و فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائیگی خطا میری — کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پہ قرباں — پر آیا جب امتحاں کی دو پر ایماں
کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہاں

ایضاً

ہر عشق طبیب دل کے بیمار دل کا — یا گرچہ وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر — یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب — ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا — کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ — محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکا — ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے — سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم | سمجھو کہ وہاں ہر کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت | یا ہے نہ کوئی مولوی وزیر اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ | کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت | لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو ہے دیں | سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال | تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت [illegible] | اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک شیخ نے اٹھکر کہ حضور | ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

حجام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخر الدین رحمہ اللہ کی داڑھی میں جمعہ اور منگل کو خضاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع کو روش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے مقر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر الیت فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۷۹۳ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے
بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا

کیوں تجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں
میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں

آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ کھونچے
ان تلک حجام ہی پہونچے نہ یہ حجام تک

خط آنیسے بھی اپنی رسائی نہیں وہاں
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

قیموں پہ میاں پڑتا ہے تب سو گھڑے پانی
بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

اس شوخ کے کوچے میں نجا یا کر و حجام
چھن جاینگے اک روز یہ اوزار تمھارے

کل میاں حجام سب کا موںڈتے پھرتے تھے سر
آج اس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہو گئی

لگ چلئے جو اس شوخ سے رستہ میں تو اسے
جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور پرے لے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام کیا زور یہ حجام نے
شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی افسا

اور غلام حید مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۷۴ء میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

بھتی محرم دکھا کر اپنی ذو محرم سے یہ لیے	کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے کہ
تمھیں صورت کا غرہ ہو تو یاں کی محبت ہے	تمھارا حسن مہنگا ہے تو کس کی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی	اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا	کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا
دیتا جاہے دیتا جا لیلی کے کُتّے کا کفن	چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تا دستے قیس سے پرند کو	ناقۂ لیلےٰ کبھی اک گوشت کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے	ہٹیئے ہٹیئے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر	اچھا اچھا کوئی لے دیجیے خرگوش مجھے
گالیاں سن کے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں	اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اُسکی بھیانک صورت	جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
اُن کے ہشیار بھی کرنے کا نرالا ہے چلن	کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
روکے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف	آپ لا دیجیے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس چالیس برس ادھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے معاصر

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھول کا ہار ہے ۔ سمدھن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہے ٹیڑھی گرگرد سیدھی طرح سے بات ۔ گھوڑے پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے
سمدھی بتاؤ تمکو یہ کیسی ہے بے کلی ۔ آرام تمکو اور نہ اک دم قرار ہے
سو کھا ہی تھا اس نے یار آتا رقیب کو ۔ سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا ۔ لائق تمھارے منہ کے کڑا کہار ہے

حکیم مولوی محمد نبیت ارادت اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علماء فرنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظرافت کی غزل روا رکھی ہیں سر مشاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر یہی شوق سخن جاری رہا تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا ۔ نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

لبیاد

جوتیں میں چالان ہوا خوب پٹے ۔ [illegible]
لا کہیں چلاؤں گا میں تیر ساقی ۔ مے پلا دے مجھے توبہ [illegible]
حضرت دست جفا رکتے و بہ اکرن ۔ [illegible]

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا — بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن — کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر — شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے — کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد کچھ بے ستانے کیلئے — باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں ہو پیدا دل شیدائی میں — ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں

دیکھ لیتا ہو جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو — پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کستا تھا نئی روز لنگوٹی باندھوں — ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو

آکر چڑھی ہے سر پہ جو کتنی شباب کی — وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم — بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

یہ عذر کیا آنے اور جانے کی ٹھہرائی — دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چارپائی
پہلے سر زاہد پر اک زور سے چپت لگائی — دیکھا جو ادھر اس نے بندہ ہوا ہرجائی

جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علی شاہی — تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی بیبیاں کرتے

ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھر پکڑ — مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے

چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں — عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں *

پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہے پٹ — اور بھا اگو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
ڈھونڈتا گھس گیا میں محفل دلدار میں — منھ جو تم پھیر لیتے مجھے دربان عریاں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں اے حکیم — یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر وہی اوباشانہ رنگ مد نظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضیکہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طرح سے اس پر صادق آتی ہے ؏ برعکس نہند نام زنگی کافور

عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زرے ہست مدہ — زر جز بجوان رند سرمست مدہ

موئے سر زلف امرد از کف مگزار — سر رشتہ دولت است از دست مدہ

خلیفہ ۔ رحیمی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگین مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے ان میں کا ایک یہ شعر ہے۔

او دھر اٹھے سیٹھ کے مہا پہلوان کے — تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق ۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چندر بھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمینا چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت   کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت   نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے، وکیں کسے فیشن سے بھا میں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے   ہوا میں بھر رہا ہے وولن میں ہے
نہیں تا نتی کی گرمی خون میں ہے   اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پُرانوں کی وہی چالیں پُرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

نیو فیشن کی دلیسی چڑھ بنی ہے   شکٹ ہاتھوں میں پاکٹ میں گھڑی ہے
تحی کالال قسمت کا دھنی ہے   وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی بیٹے غل مچائے
مشلا ہے ایک چپ سب کو مرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں   کسی ہے کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں   پُرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
وٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرماتے ہوئے ہیں   پری کے [illegible] آئے ہوئے ہیں
اُڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں -   محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑلی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ اس روزی بنایا — بڑے دن کو کلب گھر میں سجایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا — سمند ناز پر کوڑا لگایا

چپر غٹو ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چھل بل — نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل — نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گدرایا ہوا ہو — جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو — برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن — کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن — گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں — کسی لیڈی سے ملنے کوشن میں
تکلف سے نہ شرمائے لگن میں — کرے سب پر کے رکھ جائے وہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷ - رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۰ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون سنہ ۱۹۱۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے - ۲۴ - برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی - اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا - شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہوگیا تھا - جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گیا - قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے - طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا - انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے -

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم — آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے
چھیڑ اور ہم سے لیرا یہاں ہے دیکھئے — ہم بھی تو رات جھانک رہے تھے دیوار سے
سن کر پیام ہم سے وہ اتنا یوں کہا — وہ ہی نہ ڈھیلے تیلے تھے یعنے نزار سے
معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب — یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے
خود مجھکو تجربہ ہے لبرا ہے کیا کہوں — خالق بچائے ایسے شریر و چھکے وار سے

کیا بری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی حسن آدمی — آپ کچھ کہتا ہے منہ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک مفتی نے شتر خانہ پہ جو امر کھا — پوچھا اک نگر نے تو کہا یہ تم کس کلام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں — ہو گئے اسوقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے وہ لے — کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے — کر رہے تھے گفتگو باہمدگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو — کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب — وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح — اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا — کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیّاح نے — میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے — سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا — کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے — سوچکر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُسنے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں — خدمت زمزم میں بھی گاہے گزر
سُن کے اُسکے منہ سے یہ سیّاح نے — سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں — روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب — ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بڈھے ہوتے جاتے ہیں بہت — کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستّرے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ — اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں — آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات — تب کہا سیّاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی — ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

وبنگ ۔ حافظ سراج احمد نام تھا ۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے ۔ مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے ۔ تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا ۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا   کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

ڈگانا تخلص تھا ریختی میں ۔ مگر متین اور عاشقانہ کلام میں مہجور تخلص کرتے تھے منشی اسد اللہ نام تھا ۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے ۔ مقام چھپرہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے ۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلّی تھا ۔ مگر دلنہ یزدوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ ترک وطن کرکے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی ۔ اور یہی قدیمی وطن ہوگیا ۔ چنانچہ ڈگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لیے چھپرہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لیے بھیجدیا ۔ اور یہیں تعلیم پائی ۔ ڈگانا کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثنائے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے ۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبد الغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بعہدہ ڈپٹی کلکٹری یہاں مامور تھے ۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور مہجور تخلص اختیار کیا ۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لیے دوسرا رنگ ۔ ریختی بھی کہنا شروع کیا ۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہوگیا ۔ جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں ۔

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے   صحن میں پاکے بے حجاب مجھے
چھپ کے اور [illegible] گلے سے لپٹا کے   پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں   کرکے چھوڑا مگر خراب مجھے

ولی: جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا | بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریباں کی
مری اس ادا کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بُت نے | ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی
سوالِ وصل پر جو یہ مدام انکار رہتی ہے | مری جاں آ بنی گی دن ہی یا گردن ہو ٹٹیاں کی
بگڑتے کیوں ہو سیدھا کہنے پر آؤ بیٹھو تو | تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی
میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوشِ وحشت میں | اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلی کبھی جھانکی
نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل | مگر ڈوری ہو شاخِ سرو قد میں زلفِ جاناں کی

دلسوز: نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڈھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہو گیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش کبھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۵۵ء میں بمقام جےپور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا | مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دل کی بیقراری سے | روز دو تین چار سے کہنا

سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی | پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلبر: منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے - مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے - اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات
کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو - چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ
خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدی - گوجر - جاٹوں کے روزمرہ میں
شاعری شروع کردی - اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا - مگر دلپسر نے
اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ سنہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ
مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے - اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا - دلپسر کو انعام اور
خلعت دیا گیا - بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا
مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لیئے اُن لوگوں نے انکار کردیا اور یہ سہرا دلپسر کے سر رہا
۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے - مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس
رنگ کو ترک کردیا - پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں - غزلیں - قطعے - مثنوی - سبھی کچھ
کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہوگیا - اور اپنی زندگی ہی
میں طبع کرایا - آخرکار ۷۰ برس کی عمر میں انتقال کیا - انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی
دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر
وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مرادآباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں - کیونکہ دلپسر نے
صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی - بلکہ اُن کے طرزِ تکلم - اُن کے طریق معاشرت
اُن کی وضع قطع - اُن کی صورت آبادی اور بود و باش - اُن کے جذبات - اُن کے اطوار
اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے - یہ ایک انتہا کے کمال ہے
اور اسی وجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اُن کی
معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو - اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان
ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں - مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت
اندوز ہوسکے گا - اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھیئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

انھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا لک ہے بے ناٹک — تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق اے میرے مالک — تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دنوں جواوے — تیرا انت کوئی نا پاوے

تو راتوں کو ہلاک مار ڈالتا ہے اور دن کو زندہ کر دیتا ہے — تیرا بھید کوئی نہیں پا سکتا

تجھسا ٹھاڈا کون ہے دوجا — جا کی جگت کرے سگ پوجا

تجھسا زبردست دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

تو ہی لاڑے میگھ ملارا — تو ہی پوادے بوٹا ہمارا

تو ہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — تو ہی ہماری کھیتی اور بوٹے بوتا اور کاشت کراتا ہے

ہے مرے صاحب بخشن ہارے — بہارے کھوٹے کاگد ہمارے

اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمالناموں کو بدی سے پاک کر دینے والے

دلیرا ہے تیرا داسی — تو ہی دیگا تاتی باسی

دلیر تیرا غلام ہے — تو ہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہے

نعت

نبی محمدؐ رب کے پیارے — جگ پر جا کے راج ولارے

خدا کے پیارے رسول محمدؐ — تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگت میں آئے — ہماری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھویو اندھیرا — کرا اجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اجالا کافی ہوگیا

گراں سریہہ کہدا کی بانی — ہیں سنائی پڑھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں — اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہمکو سنائیں
پاپ گئے اور پن سنوارے — ہو گئے مہارے کل نستارے
جس سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں — اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ مہاری ماتا — نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں — دین و دنیا میں ہمیشہ بخشش کرنیوالی
مہارے نبی کی پیاری جائی — جا کی سینگ حوراں کہائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی — جن کی حوروں نے سینگ کہائی
باپ کی امت جن بکسائی — مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی — خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے — امت کھاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے — جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی — جنہاں ملکوں دھوم مچائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں — جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی
کر دیئے لکھوں نیم کے بندے — ترطمہ ہو گئے بازنس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے — ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا — جاڑا لگے سوڑاں دہیں جا

آج رات کو ہمارے گھر رہ جا — بڑی سردی معلوم ہوتی ہے آلحاف میں چلا آ

چار پہر کا کاٹن کے ہے — بڑی پھجر کے تڑکے نس جا

چار پہر رات کا گزارنا کیا — صبح صادق ہوتے ہی اُٹھ جانا

میں کرلوں تونے چمّا چالی — تو سانتھڑ سوں سانتھر کس جا

میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا — تو ران سے ران ملاکے پڑا رہنا

تو موئے بھولا پنچھی جانے — تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا

تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے — کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نار میں پھانسی دیگا — کاہے کاڑن ناڑا کاڈھیا

کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا — کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے

اک سیٹھی دے پران لکاڑے — موسوں ڈوڈھا بھاڑا کاڈھیا

ایک بوسہ دیکر جان نکال لی — مجھے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا

کے مجنوں مہاڑی ہور کریگا — جنگلاں جنگلاں تاڑا کاڈھیا

کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا — جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا

سو بریاں دلبر عشک ماں — ٹانگ تلے اوہ ساڑا کاڈھیا

سو بار دلبر عشق میں — مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا   مار کے اپنی ناڑ کٹار سا
تیری جدائی میں پیارے جان دیدوں گا   اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں   میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے   میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے   لو مہارا سارا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے   یہ ہمارا سالا اوت بلاسا

آجا مہارے پاونا آجا   دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا   جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے پیت کسی کی   پیت پچھوڑے کوٹھی ناجا
ایدوست کسی کی محبت نہ کرنا   محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرد   مہارے ہی اوپر دھونسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا   ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی
ناہیں رہو من بیری بس کا   پر گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا   اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑ گیا
جد تیری پایل بیچ بجے گی   میں تو گوڈوں گا اٹھا دوں گا
جب تیری پایل بیچ پرآواز دے گی   میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں موسے ہوڑ بڑے گا   تونے لیلی ڈھنگ بٹھاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا   تو تجھے لیلی کے پاس بٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جھڑ ہوگا   میں تو سینوں مر مر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہوگا   تو میں اشارے کے مارے مر جاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا   میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی)   میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پُھاکا مانڈا   یو تیرا پھوڑا ناؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے   یہ تیرا پھوڑا نائی کا لڑکا

مُنھ جُھریا دونگی دوارے نیاور کا   پلہ کھوسے ہے مہاری چادر کا
میں اپنے معشوق کے منھ کو جھلس دوں گی   چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے موسوں نے کے ستم پاڑے   گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھائے ہیں   سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑ کریلے پیٹ مجنوں بہت تری وادکی پوچھ   ہاتھ ہتکڑی ساٹھ من کی نار سو من کا کڑا
مجنوں آ ہماری برابری کر بہت تری ادی کی دم   ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور کڑا سو من کا

لارے کلارکے پھول سراب   سیسا دکھے جیسوں گلاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلادے   شیشہ گلاب کی طرح سرخ سرخ چمک رہا ہے
پاؤں پاگ کاکھ میں جوتی   ایسی دارو پیو نواب
پاؤں پر پگڑی اور سر پر جوتی   جناب ایسی شراب پینی چاہیے
کاڑا کا پھر عشک کجات   دیہی روکھ نہ چھوڑے پات
کالا کافر عشق بد ذات ہے   بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلیرا سر سہرا باندھو   چلو رے بھائیو چڈی برات
دلیر کے سر پر سہرا باندھو   بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نوسو یانی نوی — کٹھاسے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نشہ نج دشی — اٹھالے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

کرلے ری چھرو کی راج — اوہی چھلنی اوہی چھاج
او چھاری کی لڑکی خوب راج کرلے — چند دن میں وہی چھلنی ہو وہی چھاج ہے
موج مارلے سبھے اُڑا لے — جد لگ رہوے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑا لے — جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یو دلبیرا جنم کا بھوکا — کدہیں نہ دیکھا مٹکے ناج
یہ دلبیر ہمیشہ مفلس ہی رہا — کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک — رہے مکدم ادت کے اوت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی — مقدم یعنی چودہری صاحب ادت کے اوت ہے
کہدے رے پانڈے سانچی سانچ — ہمارے کرم کی ریکھاں پانچ
او برہمن سچ سچ بتا — ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے ... کرم ... کھول — بھرلو ناج سوں کوٹھے پانچ
— پانچ کوٹھی اناج سے بھرلو
[illegible] اناج — جا بد ہرنا بھرتیں کلانچ
ایسی [illegible] اچپلو — جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
[illegible] پانڈا اچھوٹ — سر پر مارو جوتی پانچ
اگر [illegible] بتاوے — سر پر پانچ جوتے مارو
[illegible] پوچ — لاگے پڑی سہانڑی پوچ
[illegible] دم — بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑاوے بیٹھے ٹانڈ — پھیرت گوپھیا کھیدے سانڈ

مچان پر بیٹھ کر کوے اڑائے — گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا

سب سوں بھلے یہ موسل چند — کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ

سب سے اچھے موسل چند — نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں

نیناں تیرے بڑے ملوک — ایک سیں ماں من دو ٹوک

تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں — ایک اشارے میں دل کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں

گورے گال دکا نے پھلکا — جنھاں دیکھے بھاگے بھوک

گورے گورے رخسارے کسی کی ساٹی معلوم ہوتی ہیں — ایسے کہ ان کو دیکھ کر بھوک بھاگتی ہے

پانوں جوتی سر نا پاگ — ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ

پاؤں میں جوتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں — ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں

کے لاگو پھاگن میں سواد — مکا کی روٹی چنے کا ساگ

پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے — چنے کا ساگ اور مکی جوار کی روٹی

دوپیازہ - دوہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے جس کے پھڑکتے ہوئے لطیفے آج تک زبان زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبد المومن تھا - خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا - ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے - ترکی فارسی عربی زبانیں نہایت اچھی جانتے تھے - مگر مسخراپن اور ہزل پسندی استقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس نے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی نظر میں گرا دئیے تھے - کوئی بات ہوتی - کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے - ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے اکبر کے جلیس خاص تھے - ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ دم بدم اور

چھوٹی ہوتی ہوئی پھبتیاں۔ کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے عرصہ دراز تک متھرا میں مقیم رہے۔ اور اصلی وطن آبا و اجداد کا بھی تھا۔ وہاں کے پجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا۔ ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھپا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے۔ کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا۔ کہنے لگے کہ ہیں اب دو پیاذہ ہنڈیا سے نکل کر کہاں جائے گا۔ اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انکے یادگار رہیں۔ چنانچہ اثر اک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف۔ الناصر۔ ملا نامہ۔ یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرتے ہیں۔ اک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا پان کا شوخ گہونا	ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرتا ہے تک جھاکی ہاتھ مل کر	تیں تاک تیغ کھینچی ایسی طرح ملونا
سالی کیا ہے کیا کیا کل شیخ جی کے تجھکے	دم در بغل میں ہوا کالے اور دھنا بچھونا
دو پیاذہ از دل و جان قربان چرانیا کم	جو بن لے مدھ کا ماتا وہ سانولا سلونا
پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے	مست ہیں تن بدن پہ ایکھ بیٹھے
دو پیاذہ کی دلداری کرتے ہیں	[illegible] گونا یا خواری کرتے ہیں
وہ پیا [illegible] پاس بیٹھا مرتے ہیں	[illegible] کے ہاتھ پھنس گئے ہیں [illegible]

[illegible] لالہ [illegible] چند نام ہے۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انگریزی میں ایم [illegible]

تک تعلیم پائی ہے - سر دست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں - مجھے مرزا واجد حسین یاس و یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا - چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مراجعہ کے لئے ایک نیازمندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا - مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا - اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی - موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے - لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی اُن کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی - اُنھوں نے بھی بربنائے اخلاق وعدہ فرما لیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا - مجبور ہو گیا - لہذا سر دست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں -

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا - مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتذالی معنوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے - اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں -

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں　　اس بات کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے -

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے　　جانور کے سر پہ تاج اچھا لگے ہے

مرزا وحشی اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری - اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے - مگر لا محالہ نقل کرتا ہوں - ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے -

مانا کہ داغ شیشے میں ایک ہی داغ تھے　　اٹھنے میں دیکھئے نہ کہ پھر جیا ہوتے

حرف ڈال ہندی

ڈاکٹر۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی لگے میں کالج چلانے والی ہے — ادھر ٹی لگا کے آٹا میں کرتی کی جالی ہے
میاں کا ہے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اٹھئے — نہیں تو اب میاں آ بسونگی چوری کی ہونیوالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے اقتضائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی "شوق و ہر دل کہ باشد رہبرش در کار نیست" کسی نہ کسی طرح کچھ شعر ان کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپ ارے ٹاپ ارے — ارے باپ ارے باپ رے باپ رے

سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایک بار ڈھینڈس صاحب نے ان کی دعوت کی مگر اس طرف سے وعدہ وفا نہ ہوسکا ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

پکا ہے سات سو چوپاسی کی — نہ آئی وہ شراب باسی کی

ایک دفعہ کسی کے یہاں تحفۃً پلاؤ بھیجا، مگر وہ صاحب کچھ ان سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرادیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معلوم ہوا تو بے ساختہ یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے بانٹیں گے — فاتحہ ہے پلاؤ مدفون کا

ذاکر۔ شیخ ذکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت یبوست اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظے نے چند شعر محفوظ کر لیے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لے گیا ۔۔۔ وہ بت کل مصلا اڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم ۔۔۔ بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

نہ ہو کے عاشق کے واسطے ذاکر ۔۔۔ گال سے سفید بال اچھا ہے
نہیں تشبیہ زلف کی کوئی ۔۔۔ آپ کا بال بال اچھا ہے

قلق کم ہوتا ہے اور پھر وہ جلا جاتا ہے ۔۔۔ خوب تاسف سے ملا کرتا ہے از بیخودی

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں | پھر وہ کس کام کا کمبخت ناطق معشوق
بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر | کورے مٹکنے میں دیتا ہے جو تاڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ذاکر | نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف
قابل رشک ہے آزادی مارگیسو | نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگان کوچۂ جاناں اب کھٹکنے ہو گئے ذاکر | جو در پالوں سے بچ پاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح ـ حکیم منشی محمد اسمٰعیل خاں نام ہے ـ دہلی وطن ہے ـ ایک زمانہ میں محلہ پہاڑ گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے ـ اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں ـ پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے ـ اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا ـ غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں ـ اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں ۱۹۱۱ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی ـ انتخاب کلام ظرافت یہ ہے ـ

نگہ میں کھٹار محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے | آچکا ہے اڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ
شراب پاک منہ کو کب دہاں حوریں پلا دینگی | کہیں جنت میں واعظ تری ہے شیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا | ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہے
تپش جنوں میں کبھی نہ پھر سے ہم بیٹھے پا | یہ آپ ہی پاؤں کے پاپوش ہو گئے
میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے پاؤں | چھٹی سے پاؤں ہو گئے ایک ماں کے پاؤں

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن | ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پانو
مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا | اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پانو
سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک | آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پانو
صد شکر پایا مرتبۂ غوث قتل سے | سر ہے کہیں کہیں ہیں تنِ خستہ تن کے پانو
چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں مزیح | مفلس نہیں کہ میں کھولا ہر وطن کے پانو

ذکی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہوگی نہیں تو آسے سمجھا دیجئے | گالیاں دیتا ہے روز آپکا دربان مجھکو
زلف پر پیچ کی الفت میں میں پھنس جاؤں | دیکھنے کو جو ملے بھول بھلیاں مجھکو
دی ہے سو مرتبہ جب یار کو پچی میں نے | تب کھلائی ہیں کہیں ڈھیلے کی گلوریاں مجھکو
جب کہا قیس نے چلمن میں لپٹ جا پیاری | کہا لیلیٰ نے کہ بھی یاد گی اماں مجھکو
وصل ہو جائے چپڑ اس لیے کرتا ہوں فقط | ورنہ کھینگا بھی نہیں الفتِ جاناں مجھکو
اے ذکی گر گئیں تڑ سے جو اُن کی پلکیں | نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا سارباں کے لئے | کہ بھیا جلد نکل چل شتر کو ہانکنے لئے
نہ اُچکے کس لئے صیاد بانس چھپڑ پہ | یہ گوشہ میں ہیں فقط مرے آشیاں کے لئے
بجھا دئیے نہ جنے کبھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس | دو وقت تو رہے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے اور الٹی دی — کہ ہوگی فاقہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے
یہ حال ہے ترے کشتہ کا اے بتو لے جاناں — کہ کتّے لاش پہ پڑتے ہیں استخواں کے لئے
تو اس پری کی محبت میں گھوم جا اے غیر — کہ تیرا باپ بھی لٹو تھا تیری ماں کے لئے
کسے لگاؤ گے تم تیر مر گیا عاشق — وہ فاختہ نہ رہی اب غلیل خاں کے لئے

اے جان جاں بتائیے گیسو کدھر گئے — وہ کون سے گدھے ہیں جو یہ کھیت چر گئے
ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو — منہ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے
سوتے میں لے گیا کوئی زلفیں تراش کے — وہ مجھ سے بدگماں ہوئے مونچھیں کتر گئے
طفلی میں بیاہ کو نہ دیا کہیں عاشقوں کے لال — پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

ذلیل ۔ ذبہار نام تھا ۔ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی ۔ نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا ۔ مگر تخلص کی ماہیت کو ہمیشہ مد نظر رکھتی تھی ۔ یعنی ریختی کے فحش شعر کہتی تھی ۔ دو شعر جو صاف تھے یہاں نقل کرتا ہوں ۔

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہو — اپنے کرتوت پہ جب دم کر اتراتی ہوں

تمہیں اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا — ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا ۔ شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے ۔ ایک شعر ملتا ہے ۔ اسے مجذوب کی بڑ سمجھئے یا ظرافت جانئے ۔

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

ذوقی - میر عبد الواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف ورگاہی کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا - نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے - اُن کے والد سید محمد اشرف موضع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے - اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے - اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۱۴۳ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے - مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے - مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرۂ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور بعض اشعار میں اپنا تخلص واحد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے - اس میں غزل - رباعی قطعے - مثنوی مخمس - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں - اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے - جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے -

آنانکہ پردہ از رخِ لوزینہ وا کنند آیا بود تواضع صحنے بما کنند
نان از تنور بهر تو با جدا شدہ است لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید پنہان ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش بر کشیدہ اید بار دگر بہ کیلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را بر کام دل ز محنت زندان رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں نشدے و اللہ شکر نشدے گر چشمم نشدے سیر ز مزعفر نشدے گر

چنداں بہ ادب دست نمی داشتمش من — با شیر و شکر حب بہم بر نشدے گر
حلوا نفزودے بدماغ این ہمہ قوت — ذوقی ہمہ اجزامش برابر نشدے گر

نقل بگیر بزباں یکدو سہ چار پنج و شش — ریزہ قند و سوہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب — چمچہ بزن بزاں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
پیدہ و نغز بسیار اگرچہ قلیل گفتہ اند — لیک نداند زیاں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہد انبام بکف گرفتہ از کمال شوق — بوسہ دہم بگشتے آں یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پر از مزعفر و کاسہ پر از برنج و شیر — خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع نغز اطعمہ وہ چہ خوش است ذوقیا — خربزہ ہائے خوش نشاں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل ز ذوق فہم بیتاب می گردد — کہ از یاد زلالی محو پیچ و تاب می گردد

پپیہا بہ سوئے چپاتی بہ دیدہ انصاف — کہ بے وصال شکر حالت تراں چیست
غرض ز موسم برسات اولہ و بوندی است — دگر نہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ بیشکر از فرمی بخود بالد — کہ آں او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکر اے ذوقی — آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند

حرف رائے مہملہ

Rahat RAHAT

راحت — دہلی کے کسی نا معلوم ریختی گو کا تخلص ہے۔ باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا۔ جو حاضر ہے ۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا — انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اسے — یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی — تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے جو اپھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا تھا ہاتھ — نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے ہندکی بات

جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال — گھر میں آکر صاف کہہ دیتے ہو تم باہر کی بات

گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں — نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہیں بوری کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں — مجھکو تو بچی یہ بڑھا جو چلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری — دکھانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان — غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری ٹو

رحیم — ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے۔ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے ۔

اری ناداں تیں اپنے جن کو کیوں رسوا کیا ہے — ترستا کر بہو کو جاگ میں کس کی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت ان کہتی ہوں — سکھی کو رات سونی ہے پیاسے کو بجھایا ہے

رسوا ۔ خیرات علی نام تھا ۔ پنجاب کے رہنے والے تھے ۔ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا ۔ نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پھڑپھڑا ہنساتے ۔ غزل گوئی کا شوق تھا ۔ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے ۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے ۔ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے ۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں مکمل آئے ہیں جنہیں سے متین ۔ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جا سکتے ہیں انتخاب کیے گئے

نالہ کرے سنہ جمیں اختر شمار ہو — شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو
رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے — دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ ادھار ہو

مجنوں کی رہی دست درازی ہی تو اک شب — سر ہونٹ کے لیلی کو چڑھا لے گا شتر پر
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا ہوں — زنخے تو نہ کھینچے تجھے سپاہی کے کمر پر
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں — اتنی سی کسر ہے کہ نہیں کوہان کمر پر

رکھم ۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے ۔ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے ۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر بیہودگی کی حدود میں پہونچ جاتی ہے ۔ میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرمادیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے ۔ کلام بھی بہت کم دستیاب ہو سکا ۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف شستہ ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں، بلکہ بجائے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے سکندر آورِ تیغ کا　　چھنسی ہیں اور وطن شباب اور یاقوت

نہ ان کی والدہ ہوئیں نہ وہ عشق میرا　　خدا دراز کرے عمر ان کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ پھینچے سے　　ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شبِ انتظار کی گھڑیاں　　ادھر رہی ہے سلائی مری بیاہی کی

شدتِ ضعف کا کیا ذکر کہ آگر شب غم　　چارہ ساز آگئے سہارے سے اٹھکر بیٹھے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا انھوں نے فیل مچادیا　　اب وہ ہمپر اور ہم اپنے خون کا دعوی کر گیا

رشک ــ ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس ہے وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کمیاب ہیں۔ میر شکوہ آبادی ان کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۔۔ سال انتقال کیا۔ اگرچہ نہایت متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں ان سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لختِ جگر　　ترشیِ یار میں پلاؤ نہیں

پھرے کھانے سے کیوں فلک ہم کو　　پاؤ روٹی سے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لبِ دہن　　ہے اگر قند کا چراؤ نہیں

اب کے چاٹے ہیں اور نالۂ و آہ　　اس طرح کا کوئی ا[illegible]

یہ زمینِ غزل وہ ہے اے رشک　　جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھ کو بھیج دے　　جھوٹا تری رکابی کا توروں سے کم نہیں

یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے　　بنگلے بھی کان پور کے گوروں سے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنا کر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں　　رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرہ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً ہم نے بھی لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں[illegible] ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے[illegible] معزز انگریزوں نے ان کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی، اور معقول مشاہرہ ان[illegible] کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ چلا ہوا تھا۔ ان کی [illegible] بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا بانہا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا [illegible] پسال بہت سا حلوا۔ اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ تیسرا خبط یہ تھا کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر و پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا۔ اُن کے لیے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اسوقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس انھوں کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔

الٰہی دانشمندی مرا و خدا — الٰہی تو امید دانی ترا

ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد — آب باراں کہ بحکم خدا نیابند بدہ کہ باراں آمد

خم غدیر را کہ پیغمبر داد و ملک داد — خریدار ملک را صلح سر تاج داد

منصور حلاج بدار و مدار انا الحق گوید — شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید

صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد — بنیاد جنگ کردہ کہ الیدرم خوشحال باشد

سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد — گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد

صورت لوکر ارمنی در کلکتہ بسیار — خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار

زنان کلکتہ را آب بسیار — گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق کارشناس — خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "وہ استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جسمیں بیشتر تمسخر کا پہلو مدنظر رہتا ہے" - انتخاب کلام یہ ہے -

سکونِ اضطرابِ دل ہوا جس نے اسے پھانکا | سفوفِ عاشقی ہے نام خاکِ کوئے جاناں کا
چھلا لان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا | کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا
وارنٹ میں ہو جائیگا آخر کو گرفتار | حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا
بند آنکھیں ہیں تمہاری اونگھتے ہو رات دن | یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں
گھر بیٹھے دید رخ کی تمہ سے کب ہو نصیب | قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو
ہمارا یار ہمکو آج ملشری چٹائیگا | سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی
نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا ساماں قاضی جی | کنویں کا آبکہ پانی ہوگا اور بیری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - کچھ عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مینپوری میں مختار ہیں آ رہے تھے - اور اُن کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۱۲ء میں معقول عمر پاکر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

مجھ پہ طوفان نہ رکھ جاہ کا چل دور ددا   جھوٹ سے منہ کا تری جائیگا اڑ نور ددا
ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیجا سی   تسپہ یوں گھورکے دیتی ہے مجھے مت گھور ددا
اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے   تیرے تالو میں آہی پڑے ناسور ددا
بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی   ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور ددا -
دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تو نے   اور کیا چاہیے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں یہاں تو نے گزاری انّا   صدقے تیرے کسی ڈھب سے اسے لاری انّا
سوچ اس کا نہ ہو گر تجھکو تو پھر کس کو ہو   جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری انّا
آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ   روز و شب بہتے ہیں اب آنکھ سے نالے ہی انّا
ہونی جو ہوئے سو ہو بندی بدے گی شرطی   وصل کی اس سے زباں ہو میں ہاری انّا
اٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نگین کے پاس   کہیو سب حال مرا میں ترے واری انّا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں   دوگانا مینہ برستا ہے مہینہ ہے یہ ساون کا
کروں قربان میں پیشواز کو جالی کی کرتی پر   دوگانا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا
ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھ سے نہ ہنس ہنس کر   زناخی مارتا ہے مجھکو ڈورا تیری دلکن کا
جوانی سے وہ کچھ پل پے اگی حیف نظر میری   وہ کون انساں ہے جو خوش نہیں رنگیں جوبن کا

کل جو منلانی نے سی دیکھ مروڑی انگیا   ہو گئی تنگ پہ چھاتی پہ سے گوڑی انگیا
لے گئی کھول کے تو شب کہ دوگانا ساری   ایک بھی میرے پہننے کو نہ چھوڑی انگیا
ٹھیک کچھ لگاتا پہ ہے نہیں منلانی   تنگ اس سے کبھی پھر ایسی نہ تھوڑی انگیا

صبر پیرا سیٹتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چار پائی کب
کل زناخی تھی میرے پاس کدھر — اوڑھے بیٹھی تھی میں رضائی کب
وہ بنجتی تو گھر میں اپنے نہ تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور مسگوائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا ہے مجھے اے ماں ہو نوج — تو سہت بے دید ہے گھر کوئی مہمان ہو نوج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے انا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج
اگلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے نگین — اسے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند — جاکر دداوہ چھپے کالاری ازاربند
ہمسائی پہ یہ وقت پڑا ہے کہ تیسرے دن — ٹُن ٹُن کے ٹوٹتی ہے بچاری ازاربند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو آنا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا تجھے واری ازاربند
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لاکر مجھ پہ وز — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دو یار
کیا گئی گزری ہوں میں ایسی کہ جاؤں ڈر کر — اور مناکر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دو یار
ہو وہ دن نا پید بن کچھ کر دائی وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دو یار

اُس نے ہمسائے میں آکر گھر لیا تو کیا ہوا — اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دوپار
دلپہ میرے نقش ہیں رنگیں کی ساری شوخیاں — اُسکی بھجوائی ہوئی مہندی لگاؤں دوپار

کروں میں کہاں تک ادا آفت روز — تمہیں چاہئے ہے وہی بات روز
کہاں تک سنوں کان تو اڑ گئے — تری سنتے سنتے حکایات روز
گئے ہیں اُسے گھر میں سب تجھکو تاڑ — کیا کرنہ رنگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی — کیوں مرے واسطے باجی نے سلائی پشواز
تو دوا ایک ہے اللہ ہے اوحرفت باز — قادری مانگی تھی تو دو ٹکے لائی پشواز
رشک سے مُنہ پہ پسینی کے گئی پھول بسنت — میں نے رنگیں یہ بسنتی جو رنگائی پشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش — جتنی گوئیاں کی ہے نباہ سے خوش
نہیں دل میں کسی سے ملتی نہیں — ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آئے مرے گھر میں تو مجھے جاوے لوٹ — جاؤں گھر اُسکے تو مجھسے کرے وہ پان دریغ
دل کی میرا دی تھی کمبخت کہ اُس سے آنا — نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ
آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے — کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہو سکا — بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب مجھے دوگانا کو مرا دو میاں سمجھ کیا خاک — انسان کی اتنا سے پہچان ہی کیا خاک

کنگھی میں کپتی تیل کی اتنا انڈیل ڈال — سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب — بندی کو یوں تو چاہے تو کولھو میں پیل ڈال

شوق مجھ کھوج منی کو جو ہے اس بات سے کم — بولتی مجھ سے دوگانا ہے بہت رات سے کم
مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ دوا — گات میری بھی دوگانا کی نہیں گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام — اور میں آگاہ ہوں اس حرف چھکا بات سے کم

کوئی چھپ کر خوب سی لال مرچیں — تھے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کسی کی مجھ سے کچھ منہ پھوڑ کر باجی تو پھر — ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی باڑی چھلیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا — پہنیاں سب رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شقلین یوں چڑھیں نظروں میں تمہاری گھیاں — اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں یوں بڑا خاک چاٹ کر — گوئیاں کسطرح بھاڑ دکی ہیلی نہیں ہوں میں
ہیں حرفتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر — رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ — تجھ پہ کہیں ٹکی پٹے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے — خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میری — کھنچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر — بچی اس سے بھلا کب تک بچوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو — چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مر جاؤ سارے — لگے تم کو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دھمک سے نہ نکلتی — گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے سفر کے بس اڑا دو نہ کپڑے — سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی — یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں آتری ڈولی سے ہیں وہیں تھنے — پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو زنگیں کے تحقیق کرو — یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو — سخت بے رحم ہے تو اوہی مر بیجان گئی
بولے وہ آوے گے کب میں نے تب آنے سے کہا — بندی ہرگز نہیں اب تاکہیں مہمان گئی
ٹیس پیڑو میں اٹھی اوہی مر بیجان گئی — مت ستا مجھکو دوگانا تو رے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی تھا — ہاتھ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ چھتچل بازی — یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
ہے زنگیں سے کہیو آنکھ لڑی پر ہے — کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے — تو اچی روح نکل جاتی ہے
کھو جڑا جیا سے مری آنکھوں کا — نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دولہا نے یہ نوبت جو دھری جاتی ہے — میری کو کالی اچی گود بھری جاتی ہے

میری چھوچھو کی اجی کوئی بڑہا دے پشواز ... بوجھ سے اسکے ننھی وہ مری جاتی ہے
سامنے سسری کو کاکے پرے ہٹ دائی ... تیری صورت سے وہ ڈر لپک کے رہی جاتی ہے
میری پروا نہیں رنگیں کو اری آنا جان ... اسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدہارے گا ستا ہی میں نے ... جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹھے سے تجھے دوں گی پیاہ ... لائے گر اس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اسکی ناک پر ... جتنی بڑی ہو دا مری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہو گیا ترا میٹھا برس شروع ... کو کا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی ... باجی مجھے اوڑھا دو جھاجھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے چہ خوش ... اور آپ اوڑھ بیٹھیں مسلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا ... آنا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں ... سر پہ ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑ یو ... کو لے تلک جو سر سے مری ہلکی اوڑھنی
بھاری بنت منگا دے کہ سر پر لگاؤں میں ... سر پہ مرے ٹہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے رنگیں کے دام میں ناحق ... کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھو کتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی ... اتنا اتراتی ہے جوبن پر دا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے ... منھ چڑاتا ہے موا نشا جی کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر والا نکلا آج — کیوں نہ پھروں میں اپنی گلی اوچرالا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی ددا زاری نکر — تیرے صدقے ہوکے مر جاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کڑھاتے تھے مجھے بھول کے دن — بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو — تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے — اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے - چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں - اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں - عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں - طبیعت میں شوخی ہے - اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے - چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتًا درج کرتا ہوں -

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے — زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے
حرم سے شیخ نکلے ہیں غطرغوں کی صدا دیتے — مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے
لنگوٹے عاشقوں کا آج سر کاٹینگے وہ شاید — ایمن آباد میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلہاڑی ہے
وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں کوئے ناز میں اکثر — محلہ والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

+ لو وہ آتی ہیں پیا ان کی بھڑکائی ہوئی — ہائے دیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

لے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیما کے لیے
میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہے گدرائی ہوئی

لے ذرا نچلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر
رکھی رہ جائیگی یہ اڑ ہی جو رسوائی ہوئی

دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو
باجی آج آپا ہیں کچھ جھکی جھکی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن
یہ تو بتلا دو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بنیے کہیں نواب بیٹھے ہیں
جدھر دیکھو ادھر ہی عاشقِ بیتاب بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر بہتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دلکشی اور رندانہ مضامین سے ذوق کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں اُن کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی کہی جائے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی میسری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہو گی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بد اخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھپر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

٭ نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا … مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ہے ید طولیٰ کیسا … ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں ملنے کے نہیں … آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید … میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ مل جائیں کلیجے سے لگا لے ان کو … اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ … کوہ کن ہو تو ہوں میں تو کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا … اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دست شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض … بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آ کر کہ الٰہی توبہ … ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

٭ یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہو … ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپکے راتوں کو کہیں آپ آئے نہ گئے … بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا … جب جام دیکھے پی گئے کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش … سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چُن چُن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے … اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر شبِ تبرک کے یہ ساماں نکلا
آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

جنابِ شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلرخوں میں ریاض
کچھ ان کی ریشِ مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب
بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے لے ریاض
اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کے اُڑا
ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ
کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں
کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں یا ہیں ریش سفید
ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں
ایسے میں کوئی چھم سے جو آ جائے تو کیا ہو

اٹھاؤ میز سے سبو ساغر ریاض جلد
آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر
یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدہ میں کہا
کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی
وہ سر پر لیے حوضِ کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت
کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض
ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہو ابھی کم سن ہیں یہ تنہا لیٹیں
سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

خم مسجد میں مئے ناب سے بھر چھوڑ دیں
ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے کٹھڑ والے

واعظ انگور میں ہے دخترِ رز بے نقاب
آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل ۔ ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے
عادت وہ بُری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی ۔ پیے مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی ۔ اور جو کوئی چپت کی آجائے

کاتب اعمال سے نکلے کام کے ۔ مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے بایں وضع جنوں ۔ جب چلے تا صبح جھکے ہم بندگی کے واسطے

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی ۔ گرہ میں دام نہ ہونگے ادھار پی ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے ۔ ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں مجھکو چڑھایا اے شیخ ۔ پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے ۔ ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض ۔ کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی ۔ میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرف زا

زاغ - تخلص تھا جناب منشی محمد مبین صاحب نازش بدایونی کا - ابتدائے شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش - کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے - مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پرگو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ شغلہ جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے - حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصے سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی کان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھسے عرصے سے ملاقات ہے - مگر کبھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لیے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری

میرٹھی ملا سے یہ پوچھے کوئی   کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زانی۔ دکن کے ایک مشہور ہزال تھے۔ میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے۔ گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔ کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں۔ مجبوراً خاموش ہوتا ہوں۔

زیٹر۔ سید باقر حسین نام ہے۔ سُنا ہے کہ شاہ گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں سنگیں دل کے پاس   سنگ خارا کی ہے یا رکھی ہوئی سل دل کے پاس
پالنے والے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم   بھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس
ناک کے پہلو میں مسہ گال پر ہے یاسکے   آک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس
کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جاگزیں   دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس
پر چمکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق   آگیا مینال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا بوسے وہ   یہ سل میری لگا لے تو اپنے دل کے پاس
ہے جبیں پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک   یا کھرل کا رکھدیا بچے نے بٹہ سل کے پاس
پھرتا ہے اسوقت زیٹر اُس کے رخ کے ارد گرد   گھومتا ہے یا چکور اسدم مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دست نازک کی ہوا کھائی نہ تھی   گُدہ گاہ شیخ جی منت کش نائی نہ تھی
یہ سبب کس واسطے پھسلا دیا پائے نظر   سبزۂ خط عارض جاناں پہ تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی اندھیری قبر میں	کاوکاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہوئے ختن یا	یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن یا

زیرک ۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے ۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اُس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں ۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب	ادب و شرم و حیا غیرت از ایشان مطلب
ہمہ حمامی و دلاک بود اعلاش	مابقی دلہ و سادہ دگر ارباب طرب
در حسب نامہ شاں از ہمہ خلق جداست	در نجابت بعزازیل رسانند نسب
کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را	بہ جہاں چوں صف مور روانند طلب
یک ازیں قوم ندیدست ولو بستی کشمیر	برنگردد چو ز سوراخ برآید عقرب
پئے یک حبہ دوانند شتابان بدمشق	نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا حلب
بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند	بعد اوقات چو در آیند بجوئید سبب
در محبت چو ذباب و بمروت زنبور	بسخاوت چو غراب و بشجاعت ارنب
جزو لفظے کہ کند خامہ آنہا تحریر	ہزج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب
گر کشند از تن زارت چو بشش خون بیا	و برند از کف ایشاں چہ عجب بیدہ عجب

کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمے — لنگ و عمامہ تمامی برد از اہل عرب
تانمی زاد ز دنیائے دنی کشمیری — کاش ایں قحبہ بستروں بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزیں نام و خطابش آمد — در سخن یافت رہیں جز و زماں تا منصب
ہیچ یا آب نہ در چشم و نہ بر رو دارد — خاک و ساخت مخمر ز پے خجلت رب
قلتباں چوں نہ دہد ہاق عروساں ساماں — میہماں جفتہ زناند بجوالبش ہر شب
ہمچو پیکاں ہے دلش غیر دل آزاری نیست — چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بہ فلک ہست نہ بروئے زمیں — سربسر خانہ برانداز چو راس ذنب
ساکن دیر شد و زائر بتخانۂ ہند — غور کن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت — کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ ہا زاد بہ ایراں ز وجودت شاید — مادرت ام خبائث شد و چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن — بے سوراخ نہ دیدست دو نیش عقرب
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید — بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب

حرف سین

سب رنگ - قاضی عبدالمغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے - ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے - چند شعر مل سکے یہ ہیں -

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی ۔۔۔ لگا و تاک کہیں روٹیاں چرانے کی
اسی سے تو نے مرے دل میں پھیر دی جھاڑو ۔۔۔ تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی
اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن ۔۔۔ ابھی تک آپکو عادت ہے سر کھجانے کی
وہ زندگی میں چرائے گئے تھے دل میرا ۔۔۔ اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی
سنا ہے میں نے تمھیں اب وہ کاٹ کھاتے ہیں ۔۔۔ یہی سزا ہے رقیبوں کے منہ لگانے کی
سنا ہے پیٹے ہیں آج اُن کے در دالٹھا کر ۔۔۔ سزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور و معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق سنہ ۱۸۷۷ء سے سنہ ۱۹۱۳ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا۔ منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کالکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے - منشی صاحب موصوف سنہ ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور سنہ ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی - مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے ۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی ۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا ۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے ۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف ۔ ترببھون ناتھ ہجر ۔ نواب سید محمد خاں آزاد ۔ سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی منشی احمد علی شوق ۔ منشی جوالا پرشاد برق ۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار ۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابو الکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے ۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا ۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں ۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں ۔ جن میں سے حاجی بغلول ۔ احمق الذین ۔ پیاری دنیا میٹھی چھری ۔ قابل ذکر ہیں ۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اُردو میں کیا جسکا نام طلسمی فانوس ہے ۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے ۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے ۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے ۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں ۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں ۔

آپ کی نثر کے فقرے ۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں ۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں ۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی ۔

چھپے ہیں تمغے جو شوخیاں ہیں طرفت — ہے جو ہر سو فی المثل فرخندگی خندیگی

سال تاریخش ہیں ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت — شیخ چلی آگئے دنیا میں باسنجیدگی

۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے ۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم — تن زار گھسکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ کھیل ہو گیا — کیا امتحان عشق میں میں فیل ہو گیا

تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا — اپنے تو حق میں عشق امربیل ہو گیا

اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں — جانی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا

دیوانی فوجداری سے جھگڑے ہیں عشق کے — بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں سن — دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

پہونچا جب اُن کے کان میں اور وہ نہ آسکے — منھ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا — ساتھ سائیں کو لے گا ؤ بغیر فریاد کیا

بغلول کے مختار نامہ عام کا ایک شعر

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ۔

عزیز و حق تعالیٰ کبریا ہے — شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں ۔

ہوئے بیچکے ہم جو رسوا ہمسے کیوں نہ رکھا کیا — وہیں ہنستے شل عیدک ہیں قائین غائبین کہتے

سخی - تخلص سید پرورش علی نام - آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے - رند مشرب - آزاد مزاج - یار باش خوش خلق - پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے - بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے - بھاکا میں انور تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی - نمونہ کلام یہ ہے -

بوسہ اللہ سخی مانگتا ہے — ایک دیجئے گا تو دس پائیے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو — گالیاں دیں سر بازار یہ کیا

کہاں دن کو گھر بے محل جائیگا — ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا

مرے دل میں آئینے یہ فائدہ ہے — ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام — انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں — میرے دیوار کا خدا حافظ

ایک ہیں جس کا نا [illegible] — دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

تو ہے شیخ جی [illegible] — ہو وہ بت کہیں خدا ہی نہو

دل کھلو نہیں جو کہتے [illegible] — [illegible] یہی لیں گے ہم یہی لینگے

سحر مولوی [illegible] ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ [illegible] گئی ہے -

طبا [illegible] — چمک خورشید عالمتاب کی تو ر خوباں ہے

الح [illegible] — کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

نحافت میری پروردہ ہے کس ناز رعنائی کی | کہ مجھکو خواہش دید تغافل کیش ہر آں ہے
زبونی کش ہوا ہیں کب تجلے نہانی کا | مرا دل بھی گذر گاہ تجلی ہائے جاناں ہے
نہ کر منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو | کہ ہر اک لغزش دل پروردہ آغوش ارماں ہے
تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے | کہ وقف سادگی ہائے دل بیدید و خوباں ہے
نہیں ہے رابطہ الفت کسی جز حسیناں سے | کہ ہر اک بات میرا اک راز اک ناز پنہاں ہے
میں احساں کش ہوں کیونکر ترے لطف نہانی کا | غم آوارگیہائے صبا مجھکو فراواں ہے
وفائے حسرت رنگیں بیاں عجب ارادت ہے | تعجب کیا سحر گہ خار چشم نکتہ سنجاں ہے

سرشار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علی صاحب منیر تلمذ ہے۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اُسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہو گی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

افیون پی کے کھائیں جو شیر کی ریوڑیاں | کیا مکھیوں کے ٹھٹھے ہیں مجھ ناتواں پہ
ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا عیش کے ہیں | اِدھر تھیلا ہے گولوں کا اُدھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ سیر کہسار۔ جام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بیجناتھ تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے۔ مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں سادہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں۔

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اسمیں پیدا ہو گئی۔ مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علاحدہ ہو گئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کر لی۔ چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو
جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔
مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود
اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات
سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے
اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسوم
ورواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اُن میں محاورات
کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد
لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ
مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف
پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا
ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان
بن لندہور کی داستان خیال کرنے لگتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزیّن اور
مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح
ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر
سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت
کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور
کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں
برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں
سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ
دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کی ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں یا ناشناسان ظاہر ہیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا، ذہن نقاد، ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ اڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پاکر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظرافت کا کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کرکے لکھتا ہوں۔

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
داتا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوش رنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جیسے پیئے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بنائیں خوب اُلّو

فتوی کا شیخ کا کون مانے — لاکھوں میں پئے کھلے خزانے
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند — رندوں کی گرہ میں باندھ دے بند
ے منھ سے لگائے جام بادہ — اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ — کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم — با ناز و کرشمہ و خم و چم
بحر خوبی ز پائے تا فرق — ہنستی کبھی ہوئی انا البرق
پھڑ کاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی — ابھرا سینہ کچھوری چوٹی
پازیب کو خوب چھم چھماتی — پیاری پیاری کچیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان — جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی — اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان — میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو دے کے آپ کھا دیں — بیٹھے بیٹھے مزے اڑا دیں
ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ — جو کچھ کہے سب وہ کیجے آپ
اور میں کبھی کہوں اٹھا کے چلمن — تسلیم جناب قبلۂ من
ہڑکے شکلام پر درم ہو — شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دہرم کو کھٹکا — سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یار دنیا ے دوں ہے کس کی — میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو دسکی — کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن بیان بے خبر کو شرمانا چاہئے جو خواہ نخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی ۔۔۔۔ دے پھپیہ جھکڑہ دو بردی
اے کاگ جہندہ لیمونیڈ ۔۔۔۔ دے برق جہندہ برگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی ۔۔۔۔ دے روکش ٹانگن پہاڑی
اے درتگ وپو برنگ دلدل ۔۔۔۔ دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں ۔۔۔۔ دے برش خنجر صفاہاں
اے جوشش ابال گرم ہانڈی ۔۔۔۔ دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت خچاق ۔۔۔۔ دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانۂ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانۂ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور ترندہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت کی دل خوش کن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے ۔

اے ساقی مشک رنگ شب فام ۔۔۔۔ دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی ۔۔۔۔ ٹپکا منھ میں افیم ساقی
چنیا بیگم کا عاشق زار ۔۔۔۔ یعنی خواجہ بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی ۔۔۔۔ رہجائے یہ آرزو نہ (خوجی) باقی
ساقی قدح افیم دیدے ۔۔۔۔ اور اُس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھجائیں ۔۔۔۔ اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کنے بیٹھوں اشتار ۔۔۔۔ پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے — دشمن میرا تباہ ہو جائے
سطریں ہوں رشک زلف خوباں — اور رو کش کاکل حسیناں
ہر لفظ بنے جنبش کی دولھن — اور خواجہ بدیع شوہر ان
ساقی چینی کی پیالیاں لا — آب اسود کا جلوہ دکھا
کر رحم بلا افیم چینی — نادت بہ کشتم کہ ناز نینی
ہونٹوں پہ آگئی مری جان — رنجم مفزا سے بامدادان
تو بے خبر اور میں ہوں رنجور — اس ملک کا کیا یہی ہے دستور
ہے میری دعا کہ خالق کن — برسائے تری دکان پر ہن
مجمع رہے وہاں افیمیوں کا — دل بادل چیونٹی مکھیوں کا
بیماری موت بد بلا ہے — بس اس کی افیم ہی دوا ہے
مر جاؤں گا گر نہ دے گا افیون — سوگند بذات پاک بیچون
پیاری ہے افیم جان و دل سے — پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوجی (خواجہ بدیع)

پلا ساقیا مالوے کی افیم — کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم
کرم کر حقیر دل پہ مائی ڈیر — میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا — جھلک آب اسود کی مجھکو دکھا
نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ — نہ چانڈو نہ افیون کا [illegible]
جلا دے دم واپسیں اے کریم — مرا نے پہ کہہ قم باذن الافیم
نہ تھا خبر کر ساقی مشک رنگ — پلا جام افیوں الہی بے درنگ
دم پینک و عیش بے رنج و غم — پڑھوں یہ کلام فصیح عجم
کرم با ترحم بحال سقیم — کہ ہستم اسیر کمند افیم

جو ٹپکے مرے منہ میں افیون ناب — تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب

سخیاں ز افیون پر میخورند — سخیاں نبات و شکر می خورند

نگہدار مارا ز راہ خطا — خطا در گذار و افیمم نما

ندارم غیر از تو فریاد رس — بدہ جام افیوں باقی ہوس

خراب و سیہ مست و تر دامنم — بدہ او بیم او بیم او بیم

بدیعا بس اب روک لے اپنی زباں — دم صبح ہوتا ہے پینک کا دھیان

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

غذا کی قسم شکر کر شکر کر — قرولی سے خالی ہے میری کمر

قرابینچہ پاس ہوتا اگر — تو کج کرکے میں بھونک دیتا مگر

جو پینک میں ہوتا نہیں بے خبر — تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں شکر کے ہیں — چسکے پڑے ہوئے تری میٹھی نظر کے ہیں

کھٹیاں وہ کھا کے رات گئے تو رہے ٹل گئے — افسوس مفلسی میں مرے دو ڈبل گئے

رحم اے یار کرو گو ہیں گنہگار نہیں — ہم بھی اے غیرت شیریں ہیں وفادار نہیں

کیا تری کا کل پیچاں کا کیا نظارہ — سو کس واسطے بل کرتے ہیں نظارہ نہیں

میرے جلاب کو کاقند تجھے ہو تیار — ڈال دوں شکر پوتے التے بتے بار نہیں

بھیجے پاس جو گل کے لبِ شیریں کے — قند گھل جائے شکر خورو کی انکار نہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوتی مہنگی ایسی
جابجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں

کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد
بارے لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں

عرق آلودہ وہ ابرو ہیں مزا ہے اے دل
ہے عوض آپ کے شربت انہیں تلواروں میں

لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح
دھوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں

کیوں نہ باتوں میں ہو حلاوت ہی حلاوت پیارے
صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحاں کو بہ کاری بھی سارے ہیں ثابت قدم
جوتیاں جسدن لگا کر چاہئے ان دیکھ لے

افیون کی قلم میں یاں سے نکلے
توقیر و گناہ دیکھئے گا

مزار کی اپنے انسیم کا رنگ
سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک نہ دل کی بےکلی جائے
او دائرے والے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا
نشہ افیوں کا بڑھا ہے یہ عمارت میری

کیوں نہ ستھرک میں ہے گرد ہر اک فیونی
ڈھیر گتوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری

کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کہ مٹے کا طباق
ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت میری

ٹوٹ سکتا نہیں افسوس رہا سا مجھسے
ہٹ گئی کھا کے مٹھائی یہ نزاکت میری

میں یہ سمجھا حبشی دیکھ کے حلوا سوہن
جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب وصلت میری

مصری کی ڈلیا چلکے صنم نے بھیجے انیم
بے جا ہے لطف قسمت یاں شکر کے ہیں

سرپٹ ۔ محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں۔ نقد ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس شان سے اُس شوخ کو اکثر دیکھا ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا

جو نکلتے کاٹتے اب تک نہیں دیکھا لیکن موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا

آج تک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا

کس طرف یار کو اب ڈھونڈھنے جاؤں سرپٹ ہم نے پولیس میں بھی کئی روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُنکی جناب میں لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں

ہر دن کی باندھ پوندھ سے واعظ نجات ہے ہڑتال آپ کیوں نہ ملالیں خضاب میں

وہ اس طرح تو عارض روشن دکھا چکے ماچس ملے تو آگ لگا دوں نقاب میں

یہ کالے کالے تل رخ پُر نور پر نہیں کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں تیلی کی قاب میں

پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے اب بھیک مانگتے ہیں وہ جام شراب میں

آئندہ میل ست سے بھی بڑھ جائیں کیا عجب بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہد شباب میں

تڑپتا ہے دل وحشی مرا یوں انکی فرقت میں کہ جیسے بانگ کھا جاتے کوئی نیستاں میں

تجھے سچ مچ کا یوسف لیوا گر کر دو تو شاباں گرا دوں آج لیجا کر کسی رستے کی کنواں میں

کوئی تدبیر وصل یار بھی لکھتے تو ہم کہتے چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی گلستاں میں

[illegible] نہیں جو سرو و مرتبہ اپنا اب ان سے کیا کہوں دل ہو گیا [illegible] میں

وہ اپنے چھوٹے بھیا کو کبھی اپنے ساتھ لاتے ہیں کسے ترجیح دوں آخر میں [illegible] میں

تری یاد اس طرح آتی ہے دل میں اے مسیحا دم کہ جیسے ڈاکٹر صبح کو آتا ہے زنداں میں

ملا دل ڈھونڈنے کا خوب موقع آج اس سر چٹا کو — وہ کہتے ہیں نہیں دیکھو ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ چھچھوندر ہو — یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے بڑے خر ہو
پڑا ہے پہیوں مرگھٹ پہ ہو چکی کی سڑک پر ہو — کہیں تو دید اس الو کے پٹھے کی میسر ہو
کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی — اگر ڈھڈھ ریل ہو دلبر تو کم سے کم چھچھوندر ہو
الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوچۂ جاناں سے — بغل میں بستر ہو اور کھٹیا اس کے سر پر ہو
تمہاری گول آنکھیں لال منہ اسٹول کی چھتک — یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو
یہ کیا بندر کی صورت ہم لائے ہو تو لا پتا — ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو
عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو گھر گھر — خدا سمجھے تمہیں معشوق ہو یا اس کے نوکر ہو
ستانے کا مزہ میں بھی چکھا دوں ان کو دوبٹا — جو میرے ہاتھ میں جوتا ہو اور ان کا گنجا سر ہو
وہ ننگے پاؤں آدھی رات کیاں ہیں پچھپکر — ہمارے ساتھ بھاگ آئیں تو کھٹ پٹ ہو چھو چھو

سرکوب — دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اسی ٹائپ کے ہیں۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہمرے یار ہاں — مارو تو موت الے ہو چھوٹ سر اجار ہاں
کیا بتائیں ہیں — ازار

سب کا جگائے دیت ہیں چرچرا کے — لیٹا کر بنا آج سے سارے سار ہاں
چپال

مورٹھے پر اُہکا رکھ کے ٹری دبھاگ جا — لاگا جو کو تو ردج اکیلا بچار ہاں
گردن پہ اسکو — لگایا جو کسی دن

کرایہ ہے رنگ ایس ہمرے بانکے یار کا — ہوری جاسے رات دن کا چکلے بچار ہاں
کالا ایسا — دن کو

دو دن سے ہمکا دیکھ کے وہ بڑ بڑا رہا لاگ — چلا سے دیت تنکو جو چھیڑ دیجا رہاں

چلا سے دیتے ہیں تھوڑا سا

دوئی دانت گھس گئے نکسا لہو ہے باپ — دانتن سے ایسے جو رہاں کاٹس پیا رہاں

نکلا — زور کاٹا

مارے ڈرن کے بھاگ گیں لیکے اپنی جان — دیکھوں لہو بھرا جو ہیں اُسکی کنارہاں

کرمن سے جیہہ کا ڈیل ملا ہے تاڑ سا — وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کہیں چارہاں

بیٹھ اندھیری کوٹھری ماں ہمکا ٹار کے — گھٹنن سے لاگ ہے سر اپنا سنگار ہاں

سر کو بیت تارا تو ٹاکرت ہے سکار تک — موتی پروت ہے جو وہ موڑ کے بار ہاں

صبح — سر کے بال ہیں

سعدی۔ آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا۔ مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا۔ بہرصورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہیں کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ بہت ہی کم کسی کو نصیب ہوئی۔ آپ کی تعریف۔ اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کا مثنی واقف ہے۔ آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے۔ اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی۔ کہ حضرت نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو۔ مگر میں نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے۔ اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک ان کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں تھیں۔

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

ان کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں منتہع الجواب ہیں۔ بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں۔ بہت سی جگہ الفاظ فحش ہیں مگر ایک ایک لفظ میں سو سو زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھ دوں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے لڑکا اور غلام کے لئے یہ قید لگادی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن ‌‌ ‌‌ بود بندۂ نازنین مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا۔ گھبراتے ہوئے اٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا۔ وہ بگڑ گیا۔ اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا۔ کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔

چوں گرانے بہ پیش شمع آید ‌‌ ‌‌ خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب ‌‌ ‌‌ آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھا دے۔

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جدائی کے صدمات نے انھیں بہت پریشان کیا۔ مگر کیا کرتے مجبور تھے۔ مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آ گیا۔ مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے بدل ہو گیا تھا۔ اب وہ عمر سے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہوگئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس کبھی ملنے کے لئے آیا۔ بادل ناخواستہ بہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آں روز کہ خط شاہد ت بود — صاحب نظر از نظر براندی
امروز بیامدی بہ صلحش — کش فتحہ و ضمہ برنشاندی

تازہ بہار تو کنوں زرد شد — دیگ منہ کآتش اسرد شد
چند خرامی و تکبر کنی — دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست — ناز بر آں کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ نوخیز پر آواز ہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است — داند آنکس کہ ایں سخن گوید
یعنی از روئے نیکواں خط سبز — دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گند نازارے ست — بسکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجاں داشتمی ہمچو تو بر ریش — نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاندکو چیونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا — چہ شد کہ مورچہ بر گرد ماہ جوشیدہ است

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیریں است — تلخ گفتار و تند خوے بود
چوں بریش آمد و بلاغت شد — مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ ان سے نوجوان بیبیاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ ز جای خویش نتواند خاست الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخرکار دونوں میں جنگ ہوئی۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے علٰحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی۔ بڈھے نے سر عدالت عورت کی بڑی مذمت کی۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا۔ پوری حکایت یہ ہے۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دخترکے خوبروے گوہر نام چو درج گوہرش از چشم مردماں بنہفت
چنانچہ رسم عروسی بود تماشا کرد ولے بحملۂ اول عصاے شیخ بخفت
کمان کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت
بہ دوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت کہ خان و مان من این شوخ دیدہ پاک برفت
میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں کہ سر بہ شحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی گفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر ہزلیات جو از سرتا پا شوخی اور مسخرے پن سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہوگیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں۔

آں شیشہ را چو باد در برق افتاد آں گنبد سیم رنگ بر داد بباد
از بہر ستارہ زاویہ وقت نکرد ہمسایہ بہ خانۂ کس را رہ داد
آں عہد بیاد داری و دولت شاد کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز گریختی کہ کس چوں تو نبود — وامروز بیا مدی کہ کس چوں تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر دیر می آید — موئے زنخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں ... ن تو می آیم یاد — آیم بہ دہاں ..... بر می آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں — از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زار مینالید — کاسے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی — ببری رونق مسلمانی

خدایں حافظان ناخوش آواز — بیامرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو درمشت کس نمی گنجد — کہ دیر شد کہ نا پیداست این و الحید
ترا دوات سیہ کرد روزگار و ہنوز — مراز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور — بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد — تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلو گر صومعہ داری کند اندر ملکوت — ہمچو ابلیس ہماں طینت ناخوش دارد
ناکس است آنکہ بناعہ و دستار کسے نشناخت — دزد دزد است اگر جامۂ قاضی دارد

امردے کانزا پلاسے در براست   خوش بود از دخترے در چاشتے

بس قامت خوش که زیر چادر باشد   چون باز کنی مادر مادر باشد

ز بامردکسے دهر به گزاف   که نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درهم   چه خوش باشند هم زانو و همدم

هرآنچه آنرا بود این را مهیا   هرآنچه این را بود آنرا مسلّم

رفیق و حجره و گرمابه و کوے   بسحرا باهم و در خانه درهم

مقدم در موخر برده تا ناف   دگربار این موخر آن مقدم

گر این حرفه نگهداری همه عمر   نه دینارت زیان باشد نه درهم

من این پاکیزه رویان دوستدارم   اگر دشمن شوندم خلق عالم

عروسان مقنع بے شمارند   عروسے را بدست آور مسلّم

که گر پیر دل کنی شلوارش از پاے   تو پنداری که خرواریست شلغم

حجاب نام و ننگ از پیش بردار   که محرم [illegible] نپوشاند ز محرم

اگر محکم به بندی عقد شلوار   هنوزست عقد صحبت نیست محکم

وصال دوستان هیچ است دیوار   حدیث دشمنان بادست در چم

هرآن کز پشت آدم زاد ناچار   رود بر پشت فرزندان آدم

طریقت خواهی از سعدی بیاموز   ره این است اے برادر تا جهنم

ندیدم امردے سی ساله چون تو والسلام   که فقط تنها سے چنیں آخر الزمان باشد

اگر دو دست تو یک ہفتہ قبا بندد | بہفتۂ دگرت ریش تا میان باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی | جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع | تا خایہ فرو بری سرش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد | بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست | راست مانند اسپ شطرنج است

سگ۔ ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم پہ کویت بہ شکار رفتہ بودی | تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کئے گئے ہیں مگر اکثر اُن میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور موقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بولے باہر قدم نہیں رکھتے - ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے - نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو بنے چائے کا دریا ہو کر
عکس خورشید نظر آئے کلیجا ہو کر

اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر
انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر

شوربا قاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر
حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر

لطف کھانے کا جو آیا کبھی تو بھوکا ہو کر
سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر

اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی
چائے نسخہ میں لکھی جائے شفتا ہو کر

کوفتے خواب میں بھی جو تو ہمیں کھلا لے
توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر

عقد بریانی کا جس وقت مزعفر سے ہوا
لٹ گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر

فرنی تا قاب میں کی پیر نے اتنی زاری
کھل گئی ریش بچارے کی تماشا ہو کر

نوع اجناس کو حاصل ہوا پھر بھی نجات
پلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر

اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فروغ
قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر

ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور
چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر

خشک سالی میں نہ رکھ سوختہ امید پلاؤ
پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی - عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا - نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے - ہزل گوئی کا شوق تھا - اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے - عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب - خندہ پیشانی - زندہ دل لوگوں میں تھے - باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے - مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔ مرزا مہر اکبرآبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخرکار ۱۹۰۸ء میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

واہ وا رے ملک الموت تری باریکی
گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر

معشوق بچہ زاد سے ٹھٹھلی خدا بچائے
کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھ کر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلئے
اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں نصیب میں فصل بہار میں
نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں
سنم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا
مجھسے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران با صفا ٹھہر
دکھا دی جسطرح سے جیب تو نے سا لیا ٹھہر

کہا کرتے ہیں یہ اکثر میکشوں کو حضرت واعظ
بڑی داڑھی بڑھا کر بیٹھے اک پیالہ ٹھہر

نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ
کہ چکلے پر نہ بیلین اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اشراف کیا فرمائے اس قحط سالی میں
نہیں تن بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھاؤ گل مرے مرقد پہ اے گل اندامو
یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زن خاں کیلئے

بتاؤ مجھکو بھنگیڑو کدھر گئے میکش
بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کاواں کھولے

آیا صاحب کے میم کے مس کے
دل اٹھا دل میں نا کس کس کے

سودا — یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شہرہ ایشیائی کی چار دانگ عالم میں یاد مشہور ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام چل رہا تھا۔ اُس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدردان ناپید تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم ادھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیرالملک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آرہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدردانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انہوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پر دادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ ادھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام ۔۔۔ کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں ۔۔۔ جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھا تو اب کسیکی ہجو میں ۔۔۔ ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر ۔۔۔ جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال ۔۔۔ سب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی ۔۔۔ شیر خر با قرص کافور ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا ۔۔۔ ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی لئے ۔۔۔ وہ جو مادہ خر تھی اُسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

سن تو ٹک اے نصف انساں نصف خر ۔۔۔ ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق ۔۔۔ نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں ۔۔۔ جاتے ہی مانگے ہے اس سے ما حضر
عقل کہتی ہے کہ کھالے پر نہ کھا ۔۔۔ حمق کہتا ہے کہ جیفے سے نہ ڈر
سیدلے میر مثلث آپ کو ۔۔۔ کہنا آتا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا ۔ بیوجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونٹے کو جب ہلایا ۔ تب شیخ سدو اسپر غصہ کو کھا کے آیا

بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی ۔ بے آج کو کہا ہو کل دو گے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا نتو نے گوری ہو نہ کالی ۔ بی بی کو اور تم کو کھر دیلے ہے خالی

بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی ۔ میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی ۔ گالی تو اک طرف ہو یہ سن رکھو بچا جی

آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہے کوڑی ۔ گر کہے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منہ کو ڈھیلے کی ہیں گنڈوڑی ۔ تب شیخ سدو بولا سنتا ہے لے نگوڑی

کھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منہ کو میٹھا تجھ سے ہمارے کرنا ۔ دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گالے اپنی پرند دیکھا جس کا ہمارے بھرنا ۔ بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی چیل توارنا

تب جانے گا تو جھوٹے پیروں کو ہے منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے ۔

نائن کہے ہو شرم سے دولہا ہوں سر نگوں ۔ اب کیونکہ تیل دے مقدس کو میں باؤں
شانہ کروں میں ریش کو یا وسمے سے رنگوں ۔ جی کی امان پاؤں تو آکیا میں کہوں

منہ کو کلنک اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے ۔ بارہ برس کی چھوکری یاد آبجائے لے

آے دولھن کے گھر سے جو مقنع میں چھپائے | جیسا ہاتھ آئے کیشے کو خاطر میں وہ نہ لائے

اپنے کئے کو ویسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف | سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف

اُن نے تو اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف | مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجئے معاف

مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب ہیں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست | مشکیں تڑا لیے گئے جورو سے کرکے جست

بال آسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی ایکدست | جھڑ لیے برہنہ آئے تھے از بس ضعیف و پست

پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو یہ صحبت ہے اب مدام | بھڑوا مسخرا و مچھندر رہے ان کا نام

خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو وقت شام | دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام

بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بوڑھے خرس وہ ہے شوخ چلبلی | ماری کبھو تو دھول کبھی داڑھی نوچ لی

ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی | کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اسطرح کلی

پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ ہے برسات کی ہوا | دس بیس دن جھڑی کو ہوئے مینہ نہیں کھلا

آتی ہے اُن کے پاس لیے تیل اور توا | کہتی ہے یہ نہ مانیے گا آپ اب بُرا

ہم تمکو شیخ دونہ بناتے ہیں شیخ جی

جب گھر نگوڑی بہن کے چلے ہی لٹکتی چال | آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس سدا اچھال

عمامہ سر سے پھینک کے ہو جاتے ہیں پٹ بال | تب ماریا نگی سے یہ کہتی ہے وہ چھنال

اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک دن شیخ جو ہے کو چوتڑ سے جا اٹھے | کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے سے بٹے

کہتا ہے چاند خاں کہاں کن نے حرام فیل　　حلت پہ مینڈکی کی میاںجی کی سو دلیل

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہوگئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آگیا۔ اُسنے بھی مجبوراً ایک کند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوسے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بنا تا ہے اُلّو بننے کا　　کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بننے کا

بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بننے کا　　بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بننے کا

کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں نے ہنر　　نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر

جو ادر بوم ہو سو وہ یہ لگے ہے نر　　جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر

کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بننے کا

میں کاریگر ہوں اتا دیکا سب پہ ظاہر　　جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر

وہ بوم بننے میں گر نقص سے ہو کچھ باہر　　تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر

عجیب شور مچاتا ہے الو بننے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ضاحک کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرایع کام میں لاتا ہے اور

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے
ہجو گویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی ۔ بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر
تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھے۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو
میں کہا تھا یہ ہے۔

اے خیرہ بے تمیز بر بندق بوندو تک ۔۔۔ بے رزق و کاخ خوار وگد کوچہ تنک
گہ خوار و چوں کلاغ دسیہ چو غراب ۔۔۔ غربلیہ گرچو صعوہ دچوں ماکیاں کرک

. . . .

ہر صبح باد گوز بر پشت قشوں قشوں ۔۔۔ ہر شام باد . . . . . پلک پلک

سوز ۔ تخلص سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلی میں
ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے
والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہونچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے
آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ
کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے ہزار حیف ۔۔۔ اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی
یہ مرشد آباد چلے گئے جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے
مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی ۱۲۱۱ھ میں پیوند خاک ہوئے۔
درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہی چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان اودھر تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوئے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے — سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو — ایسے ری رے ایسے ری رے ایسے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا — کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا
بھلا رے عشق تیری شوکت و شان — بھائی میرے تو اڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ — لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا
دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو — سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا — تمھارے سا تھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منھ ڈال دیکھو — کہ تم نے اس وفا پر ہے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر   وفا لایا ہے ذات تیری وفا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ   الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا   استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے تیرے یار کی ایسی تیسی   آ نہ ملے تیرے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف   طوطا ہمارا مر گیا (اُڑ گیا) کچھ بولتا ہوا

یار گر صاحب وفا ہوتا   کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

چلتر سن سنا عشق کا رکھا تو   زبردستی مرا دل لے لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں   ہمارے ہاتھ میں پہنچو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے لکھے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں ۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہا ۔ پوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہوگیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوائل میں تھی تا اینکہ عہد جوانی میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکمائے یونان تریاق سموم تاثیر القلوب۔ اور گنج شائگان مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شایع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شایع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کردیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو ہدیۂ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو — شیخ منھ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا
توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ — لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور
آنکھیں کہیں پہونچیں ہاتھ تو ڈھونڈتے رہ گیا — چشم عشوہ زا دیکھی ساق نازنیں پکڑی
سنکے بیماری سوزاں کی خبر از رہ درد — لگے کہنے کہ بڑھاپا ہے خدا خیر کرے
سر و سامان نہیں ہم سے مہیا ہوتے — ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی باوا ہوتے

سید۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مولف تذکرہ خمخانۂ جاوید نے ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب تھے میں بھی صرف اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دغا باز و لئیم و ڈھیٹ ہیں — دیکھکر چال چلن اور جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں — کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی
کام کرنیکے نہ تھے جو کچھ ہمارے سو کئے — بھنگ چھانی رات دن افیون گھولی آپ کی
خاصے آزاد دل کے حلقے میں داخل ہیں میاں — سیکھ لی ہم نے ساری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرمائیے شیخ جی مت پوچھیو — کل فضیحت سخت اس محفل میں ہو لی آپ کی

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علحدہ نہ رکھتی تھی جتنا کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ ۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا ۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۂ یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف ۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں منیجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں۔ اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپکے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر ادھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

— آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر　　سامانِ انبساط ادھور الئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے ۔ ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے ہیں ۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے ۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں ۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں ۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے ۔ اور گفتگو ئی کی مشق اپنے درجۂ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں ۔ ظرافت میں اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں ۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں ۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا ۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے ۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے ۔ اس لئے دو ایک شعر نمونۃً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں ۔ شاکی صاحب ایک پُر گو شاعر ہیں ۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی ۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے　　اپنے تو ئی دے دکا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جاکر کیجئے تقریر خوب　　پر اثر مضمون اخباروں میں چھپا یا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور　　یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہر گز نہیں ہے آپ شرط لابدی　　قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہم نے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی حامیِ قوم　　اس بہاری [illegible]
یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے سبب بیکار غم　　اس سے بہتر ہے گھر میں بیٹھے [illegible]

والد انگریزی میں جب فائق ہوئے　　مغربی [illegible]
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر　　واہ کیا [illegible]

شیخ نے یکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ　　وہ پھرسے دردر تو یہ کرتے رہے بیتنا پیل
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ پُونجی بٹ گئی　　ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد - شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتیٰ کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلّی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہوں قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوقؔ مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں　　عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں　　یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا　　یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگون مجسم یا بھرا خوں　　کسی مہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوقؔ　　دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کہو لک فرگاں چشم ستمگر کی جگر میں کھب سا لگی　　آہ کہ ہمدم ساتھ ادھر تے جنگ سا
وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوقؔ جنھوں نے کل دن کو　　آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدت سے بد ایسا ہی چھچھوکا رچا ہے　　نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے　　دودھ ملیدا

شوکت۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی۔ اور ملک کے نہایت موقر شعراء و اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے۔ غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور اس میں بھی آپ نے وہ گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش　　تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا۔ دلی کا رہنے والا تھا۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ　　دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سانڈ
نا قدردانوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں　　کیا کوئی چاہئے عاشق ترے انداز پہ سانڈ

لے گیا دل کو بغل میں داب کر　　بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے

ننگا ہی کر و دفن مجھے اپنی گلی میں　　ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیروں سے یہ بولا　　کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں　　ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا جو تو عیار ہے بیرحم ہے تو میں بھی شہد اہوں

شہباز – اسم گرامی مولوی عبد الغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں داں تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظرثانی کرکے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری ۱۹۰۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کا حقہ مل نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کردیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیانِ بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا ولا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میداں تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ سے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے — لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں

اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں — تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں

نیٹا مٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو — پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں

از بسکہ تھے جو کلاؤ کے تھیورم پر الم — اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں

تھا تکیہ کلام کی صورت زبان پر — کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں

القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے — بی اے - ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں

ہمت بڑھی کہ کیجیے بیرسٹری بھی پاس — رکھہ عرب میں وحشیوں کے ہول شمول میں

لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا — حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ببول میں

آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس — کھٹل کیطرح عشق گھسا دل کی چول میں

بال اسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی — ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں

گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو — قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں

پھل سیب نے لگائے تھے قامت کے شاخ میں — رنگت بھری تھی روز ازل عارض کے پھول میں

دیکھا جو یہ بجا نہ رہے قیس کے حواس — لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں

مجنوں کو دھن کہ جلد ہوں دہسکی وصال — ٹھیری بڑی تذبذب رد و قبول میں

میری سے کورٹ شپ کا بڑھا تازہ ذوق و شوق — لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک و دھول میں

شہرہ ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب — لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہمنے پوچھا یہ اپنی قسمت سے — دور کیوں ہم سے گنج مطلب ہیں

کالی رنگت ہے کیا محل میں — کالی رنگت سے گز ہیں صاحب ہیں

شب ہجر کو ہے سدا چمکتا چاند — شب ہجر کو جگمگاتے کوکب ہیں

کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب — جن سے روئے بتاں مزیّب ہیں

کالی رنگت سے گیسوئے جاناں — لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں

کالی رنگت سے ابروئے خمدار — تیغ و خنجر ہیں یا صفت عقرب ہیں

کالی رنگت سے پتلیاں دونو — چشم کے آسمان پہ کوکب ہیں

رنگ کے زیب ہے مسی کاجل — راحت چشم و زینت لب ہیں

کس طرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں — فائدے کحل کے مجرب ہیں

زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ — متفق اس پہ کل مہذب ہیں

حجر اسود کے منہ ہی بوسے — بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں

پاک کعبے کے کالے کالے غلاف — سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں

گوری رنگت سے گر سبب اس کا — ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں

رنگ ابیض سے گرا نہیں مطبوع — ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں

ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ — جیسے ہر دم اس کے معذب ہیں

شکل ہے سنکھیا شکر کی ایک — جتنے ابیض ہیں سب عذاب ہیں

فرض کر لیں سفید کو گر دل — دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں

پتلیاں گر سپید ہو جائیں — ہر قدم پر مذبذب ہیں

رشتۂ سند دل ہیں خوں اگر ہو سفید — ذائقہ اقرب ہوں کھرے بھی عقرب ہیں

رنگ نقرہ بڑا ہے گورا نہیں — اس پہ شاہد صفات کوکب ہیں

اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار — کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں

سچ بتا انہیں کیوں تو رنجی ہے — ہے غضب تیرے یہ کیوں لب ہیں

بولی قسمت فضول سب تقریر — ایسی باتیں نظر میں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف — دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرت انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا — لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب — جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا — بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا — بولی مرغی بچہ کمفرٹ وایز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول — بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ہے ڈیئر
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر پھر وہی — مرغی بولی چپ بھی رہ اے بدتمیز
وہ زباں جو ہے زبانوں کی کوئن — بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کمینز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں — جبتلک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
جنداشہباز کا حسن کلام — مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا — لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں — پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب مسٹریز
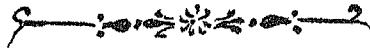
حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشاء کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش براحل دور۔ و طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہر چند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ امادر خصوص اینکس نظر بفحش دہزلش خلاف عنوان ماخواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیرے لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ اُنکی طرف ہاتھ بڑھائے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو پہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت ۔۔۔ شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ
دیکر عرق مکوہ کا بادا بدل لیا ۔۔۔ صندل کا ریت دیکے برادا بدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے اندزل ۔۔۔ بازی جو دیکھی مات پیادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل لگا سرخ سے ‏ ‏ ‏ ‏ کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سُنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر چو نسے پیر ‏ ‏ ‏ ‏ زمانہ چاہا کیا جب ملک سجال رہا

رات روشن سے اندھیرا ہوگیا کچھ کر گیا ‏ ‏ ‏ ‏ اس نئی گرمی کو سنکر میں ہنسی سے مر گیا

دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھسے جو خم ٹھونک کر ‏ ‏ ‏ ‏ پیچھے والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو برملا کرنے لگی ‏ ‏ ‏ ‏ خوش ہوئے مہتا جب اس پاس سے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جا کر ‏ ‏ ‏ ‏ کوئی ماکھو بنی کوئی بیچا

آج صاحبقراں کی آمد ہے ‏ ‏ ‏ ‏ چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہوکر ‏ ‏ ‏ ‏ ہزاروں بار رکھوا لیتے پانی پائخانے میں

دھونسا لدا جو بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں ‏ ‏ ‏ ‏ غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو لورتن کے یاروں شتاب لوٹو ‏ ‏ ‏ ‏ آئی ہے حج پہ کر کے دوڑو ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو ‏ ‏ ‏ ‏ اب تو سوچے ہے کہاں کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننھی کی ہے بے مثال آنکھ ‏ ‏ ‏ ‏ چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

زاہد نے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں ‏ ‏ ‏ ‏ چوہر و سیہ میں کیا آنکھیں ہرا بسنت میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے ‏ ‏ ‏ ‏ ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے

پدوڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی ‏ ‏ ‏ ‏ کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں کے ہے واقف ‏ ‏ ‏ ‏ تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی اومیری بھولی بھالی ‏ ‏ ‏ ‏ ہاتھوں سے کیوں چھپالی اومیری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں ‏ ‏ ‏ ‏ اوڑھا نہ کر نہالی اومیری بھولی بھالی

منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ باتیں نہ کر رزالی اومیری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو وال خشکا ‏ ‏ ‏ ‏ ٹھوری ہے یا سفالی اومیری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے — ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
صاحبقراں کی خاطر لازم ہے جینے مانا — راون کی ہے تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ — سخت وہ قحبہ مالزادی ہے
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال — بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے — نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے — دیکھ ہم گالی ہے اور بیزار اٹھے بیٹھے
وہ ہاتھ پیٹ کے احسان آپکا کیا — پکا جو بیل یار دیتے کے باپ کا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے — پریوں پہ ہنا شوق ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تجھے بوسہ پر — کس کے بوسہ کا نشاں ہے تو کہا مجھکو کیا
ہے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا — یہ سدا غنچے اور پیار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے — دل ہے صاحبقران میں میرا
وہ سادگی تیری نہ ہی اب ناک چڑھی — چھیتی کی تشتری پہ تری بال آ گیا
مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں — بہکنا اٹھ کھڑا نا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا — دیکھ نورن کا مکر اور چھیلا
اسکی بھیتی کو بکڑے میں نہ لا بیٹھ گیا — چھیتی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
کل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ ہاتھ ڈالا — مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہے — جب گیا حسن دوبارہ نہ پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب کہ ہاتھ اپنا جا پڑا ہے — دل میرد و زدو ستم ساجدلاں خدا را
مجھے برفی سوا بھاتا نہیں کچھ — پڑے ہے جب ان مٹھوں سے پالا

آگئے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا — اب جو رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت ہونے کا اپنے طاق رہا — نفس شوم اپنا طاق رہا

ہونکوں کی طرح لو ہو پیا کرتی ہو دن رات — منھ لال ترا کیوں ہوا یہ حال شپا کا

کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں گھر میں ہے — وہ ہنسکے بولی چھچھندر کہا ہوا نہوا

اگر ہاتھ آئے بھی ننھی سی چوہیا — میاں کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

منگا دوں چھچھوندر اسے چھیڑنے کو — الہیٰ اگر کاٹے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی — جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے — قدر جاتی رہی جس وقت دلا اکھلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی — جب وقت پڑے تو دغا کیا

کسبی کہنے ایک سے ہیں ہم تم — کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو — جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند — رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے — دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بہکانا آج — صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں — اتنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہے ٹخ ٹخ — وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہے ٹخ ٹخ

نہ دھرمٹ ہے نہ پٹہ ہے کہروا ہے نہ ٹھمری ہے — کہیں جو مست ہوتی ہے تو پھر گاتی ہے ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑایا کر — گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گوز ہے یا کہ ہے صاحبقراں آندھی آئی — ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں چوتڑ سے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی — میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کرلے — نہیں رہنے کی بے شوہر آجا گر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش — اُن کے اخلاق خام پر پاپوش

آشنا رسوا کیا محبت نے — آشنائی کے نام پر پاپوش

کہا کلمو نے کچھ پھڑکا کے اپنی — جوانی چہچہتی ہوں بیل یہ بیل

خرگوش تیرا ہوش میں بندے سے کم نہیں — ہر خانہ زاد تیرا مچھندرے سے کم نہیں

گو سوکھ سا گئی ظالم اچھور ہو گئی ہے — لیکن ہوئے نہ ابتک یار دکھے دانت کھٹے

دیکھو بھوری پہ موہا عاشق ہے — پدمنی بھینس چوہا عاشق ہے

مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو — گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے

روز لاتا ہے اسکی پوری — کیا کروں میں یہ وڑا عاشق ہے

رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی — اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے پہچانی ہوئی

تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے — خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی

میکدے کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے — میکدے میں آپ بس افیون گھولا کیجئے

بند ہو جریان کب امساک سے — سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے

گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں — کب اُٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے

صاحبقراں سے مغلا کہتی تھی نہ خفا ہو — ہرگز نہیں ہیں لائق تیرے چچوڑنے کے

میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز — یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے

کہا صاحبقراں لورن سے میں نے — ہماری ہجو تو عیب پوشی

خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ — جواب جاہلاں باشد خموشی

صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ — لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ

پر جب ہوا احتلام بولے حضرت — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تا حین حیات زندگی بفراغت

گزاری - جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے - وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی -

---

صفدر - آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے - مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا - مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے - اور یہیں شادی بھی کر لی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں - بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں - اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کر دیا ہے - متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے - تین چار کتابیں مشاطۂ سخن - مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے - آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں - مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے - اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے - مگر کبھی کبھی وہ بجائے خود ایک چیز ہے - اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے - مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں - منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیر آبادی سے اصلاح لی - اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں - نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے -

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں	جناب شیخ بھی اب بوریا بدھنا سنبھالے ہیں
خدائی بھر سے خفرے زال دنیا کے نرالے ہیں	یہ وہ بڑھیا ہے جس پر سیکڑے لاکھوں مرنے والے ہیں

ابے او سر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے بہت ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری ونٹ سی گردن نکالے ہیں
یہی لیلیٰ کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائیں گے رقیب بو دسیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تم نے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ٹیں نے یہ بھی ہے چاٹ ہو نگی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھ کر یہ بو میاں بولے
ہجاڑوں موڑا اس ہنسیا سے تم نے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا ہوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
ٹھٹے ہی ننھے منے ہیں ٹھٹے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ تارو سے بھی ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی دہنیا جو ملتا تا تو گل تکیہ میں بنوا تا
تمھارے گال کیا ہیں جامن وکی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دیکھا آ رہی تھیں دامن کی
کہاں اب کی بہار آئی ہیں اور جوش کے لالے ہیں

تمھاری ناک بے طرح اب تو تی لگاتی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

ثقاہت تھا یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لیے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں کوں والے ہیں

کبالہ دو جا خم پر حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر وہ بہت پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زوال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آ کر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جس دن مجھے وہ چاند تنہا کر کے چھوڑوں گا
گلی سے آپ کی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلیٰ ہوں وہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لے کر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم کو بس جاتے ہیں غیرت سے
جو تجھے پردہ نشیں وہ ہاتھ نکلے مو نکلتے ہیں

سنبھلتے تم نہیں عشاق کو زلفوں میں بل دیکھ
انھیں کے گھر سے افسان بن کے ناگن چل نکلتے ہیں

بچاؤ کن کے پٹنے سے تو پٹے کھدو رقیبوں سے
گھسے پر سو نالے پھٹکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے
سر بازار سینہ کھول کر بنکر نکلتے ہیں

یہ چپٹ سالے کی کوٹھی ہے اک مکسن کی بادٹی ہے
پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں

رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قیبو تکی
گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپکے زیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر
بتوں کے گھورنے کو ڈیرے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کرکے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجۂ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کردیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنالیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر آج تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہوگیا۔ اور اب کہیں پتہ نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا الشلا نکہ کرد جبلا نکہ   کل توبچی پرابیہ فروبکا سرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سال میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں بر مہرباں ؎ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بے شک ؎ غلط کل مصلحاں سفرت انگیز کہتے ہیں

برا ہے ہماری پالسی ورلاٹھ صاحب کی ؎ کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی مبحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں ؎ قلعی شدہ ہو جیسے کوئی اجبت مسی

پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج ؎ میری طرف سے کیا ہیں حریف تیرے جیسی

کہنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ ؎ یورپ میں جا کے دیکھئے کوئی میری بہی

ضیغم ۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشہ اسد اللہیاں منم ؎ روباہ را حریف غضنفر نمی کنم

کو مرغ سدرہ کو زغن قعر نیستی ؎ طوبے بہ شاخ سدرہ برابر نمی کنم

حرف طائے مہملہ

ظریف - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار
اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہو کر

ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی
رنگیا سارا جہاں بیچ سنبھالو ہو کر

نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سرزد مجھسے
کام بیٹھے کا بھی کر لیتا ہوں کدو ہو کر

پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں ظریف
جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر

نوچ کر وہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا
پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا

کردیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے
انتہا یہ ہے کہ بندر آکے روٹی لیگیا

دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں
جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں

مرا بستر ہے سر رہگذر ہے
نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے

مرے طائر دل کو کیا کیجئے گا
فقط چونچ ہے اسمیں پر ہے نہ در ہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کرسکے۔ اس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات [illegible] ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور سرمستان امارد پرست کے لیے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچہ کوچہ شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در دیدۂ من آکہ بہی از ثقلینا ۔۔۔ پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا
جز وصل تو مطلوب دلم نیست نگارا ۔۔۔ گر دنیا و عقبیٰ دہیم فی المثلینا
با من دلخستہ اے دلدار تنگیدن چرا ۔۔۔ تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
با مسلمانان مسکیں کافریدن بہر چہ ۔۔۔ با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا
تا آفتاب چہرہ عیانیدہ مرا ۔۔۔ اے نو بہار حسن خزانیدہ مرا
الا اے مہ کہ زلفت می کمندد ۔۔۔ دل من در کفت می مستمندد
بدفع چشم اعدائے تو طرزی ۔۔۔ دل خود را در آتش می سپندد
تا ابروئے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما ۔۔۔ افسانہ خلق کہ چو نیدہ ایم ما
قامت خمیدہ و دل چو نقطہ سیاہ داغ ۔۔۔ از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما
گہ در فراق روئے تو کاہیدہ ایم ما ۔۔۔ گہ چوں کتاں ز حسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا ز لطف ۔۔۔ حبل المتین زلف کہ چاہیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ ۔۔۔ ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما
اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم ۔۔۔ بکانون ہجرت کبابیدہ باشم
خورد خواب بر من حرامیدہ باشد ۔۔۔ اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم
گر از جملہ جا کرانم شماری ۔۔۔ ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرافؔ شیخ نور محمد نام ہے ۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے ۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں ۔ ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے ۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں ۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں ۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے	خریدو گا کہو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو کی چھلنی لئے پھرا برسوں	تمھارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے حکیموں کو خوب نسخے یاد	جنوں عشق ہے معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا	ذرا سا کیوں میاں اتنا شکن پیشانی ہے
کفن میں چوہڑوں سے اپنے باندھیے پھر تالو	سنا ہی جب ہے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کے سر آتا ہی غیر واہ رے شوق	بنی جو یار کے جوتہ پہ کامدانی ہے
نہ ہے کسی سے رفاقت نہ کوئی اپنے ہے	میں جس پہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین بنے بیٹھے کوئی دکان کھولی	صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا	ضرور شیخ جی جورو تمھاری کانی ہے
تمام لے گئے سرکار لاد کر غلہ	شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں ہو خفت	نہ کھینچئے کہ لنگوٹی مری پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پہ آپ پہ کیوں نہیں مرتے	غضب کی آپ کے ظرافت پر جوانی ہے

ظریف ۔ میراں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے ۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ سب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ و بخیریت تھے۔

ظریف - سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوئے۔ وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمھاری چاہ مبارک ہے عدو کے لئے — اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں — ٹکے کو آتی ہے بدہنی پانی وضو کے لئے
بتائیں کیا تمہیں صرف کثیر شوق کا حال — ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نکی لپنے فائدہ پہ نظر — کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھوکے لئے
ملو جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات — چلن سے چوک کے کیسے لئے شاہ کے لئے
تمھارے لال کا دامن نکل گیا مریم — منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں — تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہے ایماں کا — بھٹکنا چار سو اچھا نہیں ہے تا ہی انساں کا
نٹھے مارتی ہے اسے بچے پیار کرتے ہیں — تعلق کس قدر گہرا ہے بلی اور انساں کا
بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیوی — ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بخیہ کیا ہے سارے دامن میں محبت سے — لگا دو اچھی بھابی تم گریباں میں بھی اک ٹانکا
بھلا سمجھی ہو کیونکر نہ سب کے دل گھر کریں — اطاعت آن کی دیکھو وہ غصہ نانی اماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی
کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں -
بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے
پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے
نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی حقیقت یہ ہے کہ
آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جسکا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی
نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ
ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات
جابجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہوکر کلام ہزل سے
بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر باایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت
کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے
ادنیٰ اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے
اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعراء میں ایک بڑا اور خاص
امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں بہترین صنف میں اُن کا کلام موجود ہے - اور
اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق
اعلیٰ درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض
بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کرکے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ
لی ہے - اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے
میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا
ہوا کہ اُسے حاصل کرسکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار
ہوں -

جنوں میں کیا کہوں چلا میں مڑ کر بھولا جو دم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقشِ قدم میرا

شمیمِ زلفِ مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے
ترے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دفورِ شوق میں معشوق کو ٹپکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے اُدھم میرا

ضعیف و ناتواں ہوں مجھکو الفر ینا تا ہے
گرے پھر چھپے پن کا دریچہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر اُسے کچا ہی کھا جائیں
شترگربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا

یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی سے جو لڑتے ہیں
وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکولِ سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک نما ہے بلندی میں آبلہ دل کا
جوابِ شیش محل ہے دو منزلہ دل کا

سُنا رہے ہیں جو اُن کے معاملہ دل کا
پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا

علم کسم ابھی دار وے درد ملتا ہے
کہیں تو حال للاین سے کچھ ملا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھکر کام ان کی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے ہمسر ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہیے
پیرہن سا تو فلک ہیں جیسا ان کوئی نہیں

حضرتِ حوا سے کم کچھ حضرتِ عیسیٰ نہ تھے
باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ دہلی انھیں شہرو نہ کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہلِ زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقبلوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرقِ خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلفِ دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رضائی
ابرا اگر اکھڑ آتا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت سے اٹھانی بھی گراں ہے
ہمسے ترے احساں کا چھپر نہ اُٹھے گا

تا حشر کھلے ہیں تو بھی بند رہے گا
مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اُٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آغا
چرا کھڑا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے

نئی ادا سے نکالی ہے طرز استغنا
کہ خود کھڑا ہے لب بام یار راہ میں ہے

ترا جواب نہیں دوسرا کی بھٹیاری
کہ دال چولہے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے

ظریف ہے وہ بت شوخ کس قدر آزاد
جو سر گھٹا ہے لئے پشت خار راہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مر جانا
یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا

دولتی سے سمند ناز کی غیروں کا مر جانا
یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا

رخ روشن کی جھری حسن کا گویا ٹھٹھر جانا
قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا

مری آہوں کی توپوں کا وہ خالی خولی سر ہونا
وہ ان کا لاٹ صاحب کی طرح عرضی کے گھر جانا

مذاق چوٹا پن ہے یہ معشوق خیالی کا
کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا

مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے
وہ آخر تختۂ مشق اطبا کا بکھر جانا

بھگانا دیکھ کر انکو وہ سرپٹ اپنے ناقہ کا
میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا

جو آنا رتجگے میں گل بکاؤلی مضمون سے لیکر
ظریف اچھا ہے اردو شاعری کی طاق جانا

پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ہاں ہونا
اور وہ نالہ و فریاد کا جوڑ واں ہونا

گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے
غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا

خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے
شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا

یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں
یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا

امتحان وہ دریا پہ میرا پڑھنا
ان کے چہرے کا وہ غصے سے گلستاں ہونا

صاف لفظوں میں ہے جلتی ہوئے دانت نکالے تو
دہن یار کا درج در غلطاں ہونا

در و دیوار یہ کیوں کانپ رہے ہیں تھر تھر
کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا

وہ کفن بہر شہیدان وفا دینے لگے
ناپ کر ہر اک کو دو گز کا دیئے

سقّہ بنا کر تشنہ کامانِ محبت کو حضور — شربتِ دیدار کا پورا کٹورا دینے لگے

جب کہ عاشق ہو گئے اس بت کے جو کہ بدکار — ہونے والو جا کے رہنا صدا دینے لگے

جو بڑے عاشق اس سے بڑھ کر اور کیا ہے ثبوت — ہو گئے گندہ دہن بوسے وفا دینے لگے

پیٹ ضبطِ آہ سے عشاق کا پھولا جہاں — دھونکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منہ بسورا عاشقوں کے سامنے — وہ کھسیا کر داد کو داد وفا دینے لگے

ان کے بیمار کا گنگا پہ پلنا جب سنا — جلدی جلدی تال مسٹر کا لگا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمارِ غم — ہو کے کھسیانے سجونا سنکھیا دینے لگے

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں — تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر — ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں — کہ چل کر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

سیہ مستوں کی شادی جب نہ کیسا تو ٹھہری — مبارک حضرتِ شیطان ارشاد کرتے ہیں

یہ واعظ لس کوئی تیلی گرام آئیں لگا یا ہے — کہ ہم کو ہچکیاں آتی ہیں جب جب یاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمہارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر — جو کہتے ہو ظریف اب ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

دلیل کی سنی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی — کہ جوڑا یاد نہیں اس شوخ کے بچکانہ آتا ہے

صفت تو دیکھیے ہر چند ہے مخنث و مونث ہو — زنانہ ہے پہن کر جامہ مردانہ آتا ہے

پسینہ خالِ رخ پہ ہے یہ تخیل ہے تمہیں کہ — گلاب اسے ندی میں کیا نظر بیدانہ آتا ہے

اذان دیتے ہیں مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں — بتوں کے ہاتھ میں جب سبحۂ صد دانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہے — پٹا آتا ہے بانک آتی ہے مجھ کو یا نہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا بیٹا ہے بیمارِ محبت کا — اسے پیشاب آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

کوئی دلِ بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی — اودھالی کے سنگین تو ادھر بھی او بھی

جب مرنے لگے کوئی تو اقرار ہے منڈا — وعدہ ہی وہی ہیں اگر کبھی ہو مگر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہے ادھر بھی

گہہ رخ پہ نقاب اسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب ہیں جو مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ وہ عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکے ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف اور پر بھی

گو ہندوانی وقت پہ ملتی نہیں پیسہ کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپ نے الٹی رخ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلاے فراغت کیلیے سب سر کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی ہے نازک خوے دوست
بالش و بستر سے مجھکو آ رہی ہے بوے دوست

کی جو کریا غیر کی ہیں صاف چار ابروے دوست
چودھویں کا چاند بیشک گہن گیا اب روے دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
ڈوبیے کے جو رخ ہیں الجھے ہوے گیسوے دوست

ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آگئی جو پڑی ہی سڑک میں سینہ کوے دوست

حسن کے دلکش طویلہ میں ہے بند رخشے دوست
ہے سمند ناز یا اڑیل کوئی ٹٹوے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تمنے اگر بچھوے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہ ہی کام آتے ہیں معشوق کو دنیا میں فقط | یا جفا آتی ہے یا اُن کو دغا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے | تیرے بیمار کے پینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں گرگٹ کی طرح | حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کردینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

"یا ایہا القوم ہوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سنو کبھی سنو۔

ما ڈہل در گردن دختر رز خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے سلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنالیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت ہے ڈہول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھاور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اٹھے۔ رہوار کبھی اکٹایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منھ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ دَہم۔ دَہم۔ دَہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

مجازی اچھی ورڈ ہضم کا - حال وقال ریفارمروں کا - دھونڈا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگنده ایم | ما دل در گردن وخر در خلاب افگنده ایم

کار دنیا ہرج گردد از شمار پیچ وقت | ما امید از طاعت و چشم از صواب افگنده ایم

از زکوة و حج صلوة و صوم فارغ گشته ایم | شاہد اندر قصر افیون و شراب افگنده ایم

لکھنؤ زر مید ہے آباد باشد تا ابد | سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگنده ایم

مدو جزر بحر سودا را بماند حب قوم | دل بہ دریائے سپر پشتے لب افگنده ایم

تا قیامت یاد نفرین نقص قران مومناں | بازی پوشند و بار آفتاب افگنده ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمده | گر بہ و غالب شویم افراسیاب افگنده ایم

آفرین بر حضرت سعدی چه خوش فرموده است | ما دل در گردن وخر در خلاب افگنده ایم

عالی ۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی ۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا ۔ اور نعمت خاں خطاب تھا ۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوے کہ اصل نام سے بیخبر ہوگئے ۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا ۔ جو اپنے زمانہ کے ایک بردست حکیم تھے ۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوے اور یہیں نشو و نما پائی ۔ مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے ۔ مروجہ اور ضروری علوم رسمی وہیں حاصل کیئے ۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوے ۔ جب شیراز سے واپس ہوے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی ۔ اور سنہ ۱۱۰۱ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا ۔

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے ۔ اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں ہیں ۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے اُنکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے ۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے ۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے ۔ اسواسطے یہ ہمیشہ درپردہ ہجو کیا کرتے تھے ۔ عالمگیر کچھ ناسمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا ۔ مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا ۔

اے عمر صورت وعثمان سیرت　　　　کہ ابوبکر نگہبان تو باد

روز محشر کہ بجود رمانی　　　　پسر بوسفیان یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے - مگر یہ کہا (اگرچہ این کہنہ قرم ساق بدانست خود ہجو کردہ است - لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیے - نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے - اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا -

غرضکہ اسی طرح بادشاہ - اور امراے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے - اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے - مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں - اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے - جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے -

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی - وقائع - جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے -

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم - اور چلغم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑکر عالی تخلص اختیار کیا -

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا - تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی لکھکر بھیجی - بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ مع جیفہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من ۔۔۔ در خدمت آن جہاں شدہ جوہر من
گر جیفہ خریدنی است پس کو زر من ۔۔۔ ور نیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجووں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجووں کو متانت کے لحاظ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت سے ان پر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انکو نے ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے ہجویہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کدخدا شد خان عالی منزلت ۔۔۔ باکمال عز و تمکیں با وقار دنیا و دین
مہرہ در ششدر بفتد گر کشادی رو دہد ۔۔۔ میزند بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس ۔۔۔ ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد و نگرفتہ جہاز ۔۔۔ قد رجع من جانب البلدہ بخفی حنین
ان شد از جبر آور دایں شد از اختیار ۔۔۔ ایں سخن ہم درمیاں ماند است امر بین بین

زاں طرف نفتن نہ باشد زیں طرف برخاستن　　شرطہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین
گفت بہر من جہاز اور دہ کاید بکار　　گفت آرے ہم جہیزش ور دہم ہم کلتین
گفت خان البصر مفتاح الفرج را ساکن است　　کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین
گفت ن شد چنیم بشنیم نیست وہ مد خبر　　در محالات است فتح الیاس حذر الرحمتین
گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آمد حلول　　ہست سریانی و طریانی بنا بر مذہبین
گفت تو شکل عروس اندر ہندسہ گر خواندہ　　ضلع عمودا فی المثلث قائما بالنقطتین
گفت من در انتظار ساعتم معذور دار　　شمس طالع نیز و راجع ماہ باید در بطین
از طبیبے ہم دوائے خواستم زادیدہ گفت　　از پئے درد نہانے تو پیدا است صمغ کاتین
ساخت زر عونی ز خولنجان و جوز و زنجبیل　　تو دری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین
گفت نے اینہا نمی آید بکار از من شنو　　چارہ ات فصد عروق جبین کی عدد غدتین
حجامرا مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب　　ہم زباں آمد بدرد از گفتگو ہم لوزتین
دخلہا در موشگافی کار ملا زادہ است　　ترجمت اللفظ و اعظ کشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کردیئے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را　　رہزن دین و دزد ایماں را
از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت　　آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت
بملامت عتاب پیش گرفت　　بر سرش زد یکے و ریش گرفت
کہ چہا میکنی تو اے مردود　　شدہ از درگہ خدا مطرود
ہم دیگر چو شیخ برد بکار　　شد از اں ضرب دست خود بیدار
چوں پریدش ز خواب شیریں چست　　دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آ گیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جنمیں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است اللہ و رحمان خدائے | مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار | ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجل مرد و مراۃ زن زوج جفت | جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک بادشاہ جند لشکر بود | براں ضحک و خندہ بریق و قاہ

چیست عنقا روپیہ کبریت احمر اشرفی | کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بوالحسن
فقر و فاقہ عیلہ و عسرت صبوری انتظار | انچہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطرز لف و نشر | دانہ کاہ دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل والغایظ آبے کہ درین لشکر است | الاجل حکم طبیباں المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش | سہو سیبہ لوز ینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر گز گفت باشد گفتنی | کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و مؤتمن
فلفسی آنکس کہ میگوید خلا باشد محال | در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
ما و لا و ان و لن چوں لم حروف نافی اند | میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن با و الی احتی و فی جر میکنند | لیک از قیمے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند | ہمچو تدبیرات و تسخیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے | چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری | کہ معنی ہم ندارد ایں زماں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں | ز شمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے
طبیب از علم طب دریا و میدارد ہمیں معنی | نباشد خوب‌تر از شربت دینار درمانے
منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل | ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردہ نانے
زبس عطار مشتاق است قوت لایموتی را | بچشمش آش و ناں آید چو بنویسد اشنانے
نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را | کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے
چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کاتب | ز کلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے
محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر | برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے
ز حیرت گفت قاری من کلامے خواندہ ام یارب | نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے
دریں لشکر بجانم یار ہم با خویش می سنجد | نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے
ز گھڑیالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا | بگفت احوال گر ایں است پہر ساعتے آنے
صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم | چہ شد گفتند دریں خانہ دارد گشتہ مہمانے
ز جائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ | کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آرد انبانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے۔ نعمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے
وگرنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامے تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلاکر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے۔ اس لیئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونۂ ظرافت مل سکا۔

دل لعل مارے لیئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل شیخ سعدی تم بھی اٹھکر گلستاں دوڑ لو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبید اللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابو اسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک لغت کے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پرآشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کردیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کیئے جاتے ہیں"

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + المفلس ثالثا الا مراد۔ طالب علم + المحتسب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + العطار۔

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے +
القلتبان - سسر + البکارت - اسم بامسمیٰ + المجلق - دستگیر مفلساں + المشرف -
چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - چوریاں کو ڈالکر پیچھے
اوروں کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل -
حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب - تقریر کرنیوالا
گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم - خوشامدی +
الطبیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملک الموت - ساقی ریش دار + الہادم اللذات
ماہ رمضان + الذو القرنین - دو جوروں کا شوہر + بدبخت - بڈھی عورت کا جوان
شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب - ہمسایہ + الریش -
غریبوں کی دستاویز + الشیخ - ابلیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل +
الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + الیباکی وشیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ +
الہیچ و پوچ - شریفوں کا وجود + البیمغز - شرفا کے آداب و تہذیب - الغرور و
الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال
بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو
حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا +
النوجوان - بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی - صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب
آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم - طلاق ثلاثہ +
الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدودے چند عاشقوں کی چہیتی +
الپاکباز - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت
کے پردہ میں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بدچلنیوں بد قماشیوں کی

تصویر کھینچ دی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں
نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جس کا اتباع
ملا دوپیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈالا
راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے
ذرا کچی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔
اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ ائندہ
اضافہ کروں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ اُنکے
ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ اُن میں
سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش
تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے
مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرا اور امرا نے عبید
کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہونچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں
نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب یہ ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر
گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن — کنگ آور و کنگری کن کنگرہ زن

شاہ ابواسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبۂ بیوفاست ترا از چنیں قحبۂ ننگ نیست
فراخی دگر را بخواہ خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی و ہجاگو عبید زاکانی مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستازادست ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دادودہش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک و احتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے خواجہ نے پوچھا کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرست در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ بھلا انسے

یہ شعر کیوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یوں ہی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہوکر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بعیش خوشدل و من مبتلائے قرض | ہر کس بعیش شغلے و من در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بگردنم | آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض | در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت | از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نکند مر عبید را | مسکیں چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ۔ اشعار زیادہ تر فواحشات تک پہونچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فحمی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا شفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے شفقیک چوں تو پرداختہ ایم | با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
او گوز ہمیزند تو میگوئی شعر | او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

[illegible] شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت [illegible] رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب [illegible] گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں [illegible] غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ [illegible] عبارت بھی [illegible]۔ بجنسہٖ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

[illegible] اودھ پنچ۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صیحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا [illegible] اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک بسکھوڑا ہیرا ناچتہ ڈہیالا قوال [illegible] سنہری سہاگی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستارے معہ اک بظاہر مرد طرحدار کے جو نی الحقیقت زن ستارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہوگئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہو گئی اب اس قوال وزن چھبیلے نے یوں الاپتے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزلیہ

شرافت تو ہے گو ہے بدکار بیوی ۔۔۔ بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی ۔۔۔ کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
کرے خاک تاکید پردے کی شوہر ۔۔۔ نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو ۔۔۔ نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر ۔۔۔ بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو ۔۔۔ لگا دے وہیں جوتیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغِ جہاں میں ۔۔۔ کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابروِ شوہر میاں کے ۔۔۔ تو دوڑے دہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنیئے ۔۔۔ نہ پابند شوہر ہو نہ ہشیار بیوی

کہا ایک ٹھسیا سے بیگم نے ہنسکر — شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی
یقیں کر کہ ہے لائق فقط اسکی عصمت — گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی
طرفدار غیروں کی تعریف جب ہے — نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی
مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے — جواری کی جوے میں گئے ہار بیوی
اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو بیدل — تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی
کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو — بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی
خجالت کا دریا رواں بیچ میں ہے — ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی
کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر — رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی
نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو — نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی
ادہر تھک کے کاموں کو کیوں آرہے ہیں — ادھر جام پی کر ہے سرشار بیوی
خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز — خبردار بیوی خبردار بیوی
میں عاشق ہوں سو جاں نثار وقت پیری — ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی
نہ اب دانت کاٹو نہ اب ریلیں پیلیں — ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی
تری پیٹھ پر سیکڑوں لوٹ جوتے — ترے منہ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا - قصبہ بندکی ضلع فتحپور میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے - آبائی وطن دہلی میں تھا - ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دار السلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے - جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں - تو ان کے والد ترک سکونت کرکے اس قصبہ میں آرہے - عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بندکی میں ہوئی - مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا - تو یہ ضلع باندا چلے گئے - اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی -

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آ ئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مرادآباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۷ سنہ ۱۹ء میں بمقام بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجو یہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا ۔۔۔ عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے

دورنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں ۔۔۔ مونچھیں سفید ہوگئیں (خضاب) سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں ۔۔۔ عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال

چھ مہینے گذر گئے کھاتے ۔۔۔ خشک روٹی و بن گھاری دال

نہیں ہوتی نصیب ترکاری ۔۔۔ دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال

تلید کیا خاک تسے راتوں کو ۔۔۔ چارپائی کا ہے شکستہ حال

شور اب میری تشنہ کامی کا ۔۔۔ پانی پیتا ہے گیا ہے تینی تال

پان کی یاد جبکہ آتی ہے ۔۔۔ مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال

جوتیاں تک نہیں مقدر میں ۔۔۔ دونوں تلوؤں کی اڑ گئی ہے کھال

پیسے جڑتے نہیں حجامت کو ۔۔۔ بال بھی سر کے ہوگئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر | مونچھ داڑھی ہے صورت امثال
سینہ بخنی سے پھٹ گیا وہ بھی | تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے | دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بند کی میں ہے سکونت کا | اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں | بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دھوپ یا گواہیں | ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں | اڑکے چھپر پہونچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر | ہر گھڑی ہے مرے لیئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی ڈکسٹیٹر سے کچھ صدمہ پہونچا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ دو ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

ڈکسٹیٹر ہے قوم کا حجام | نائیوں سے کرآتا ہے ابہام
مارے جوتوں کے ہو گیا گنجہ | جھڑ گئے سر کے موئے عنبر فام
باندھتا ہے عمامہ کابل | فرقۂ بدمعاش کا ہے امام
آکے بند کی میں بنگیا ہے شریف | باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو | اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی | جسپہ عاشق ہوے ہیں تیرے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں | تو بھی چلنے لگا قدم بہ سہ گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر | کرتا ہے اس سے روز و شب ابہام

اگر دعوی ہے کسی نیٹیری کا | ہمارے آگے آئے ...... کا
پڑے ہیں جوتے سر پہ جھڑ گئے بال | یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ ۔۔۔ وہ کھانے والا ہے روٹی ٹھڑی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں ۔

عرب ۔ میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے ۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں ۔

حیواں پرستی جان من ۔ من اسپ و اشتر نیستم ۔۔۔ پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز ۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے ۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے ۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؂

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم ۔۔۔ بحمد اللہ نمردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی ۔۔۔ برو بابا سِتر دیدی ندیدی

عسس ۔ بدرالدین نام تھا ۔ ٹیا محل دلی میں رہتے تھے ۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسیر آپ کی ہیئت کذائی اور بھی نزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے ۔ بدقسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا ۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے ۔ نر ۔ مادہ ۔ استادہ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے ۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے او کُٹنّے چلا تھا کیا یہ جھگڑا انکو — کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ ملکڑا انکو

عشاق - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سرسبز خط سے اور ہوا حسن یار کا — آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا ابھار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان جوانوں میں — ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانوں میں
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں چل تیکھی — موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں
حسین کیسی ہیں کٹّے بھی ہیں مگر کچھ جوش گھٹتے ہیں — ہوا ننگ عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھو چلی منھ ہزار کے — بیٹھے گی کب بھروسے پہ وہ ایک یار کے
بی تم نے کیوں کنوارے پنے میں چبائے پان — موتی سے دانت بن گئے والے اتار کے
نرگس کی چھوکری کا دیدہ ہوائی ہے — کندن کو سا رلا دیا گہنا اتار کے

نیچرا ے بوا اچھا نہیں دو کی صحبت کا — کھلے گا تو جیئے بعد گل یاں عیش عشرت کا

نلیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما — مگر کچھ پاس ہے مجھ کو نٹے بوڑھ کی عزت کا

نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے — میں ڈرتی ہوں بوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا

تری خاطر میں گھسے دن نپاڑے آتی ہوں ورنہ — کسی نے آجتک آنچل نہیں دیکھا ہی عصمت کا

عطا۔ عطاء اللہ نام تھا عطا تخلص تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ دلّی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے۔ اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے۔ اور تمام وضع قطع وہی تھی۔ ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹکا ہوا نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں۔ کرتے کا دامن بہت نیچا اوس پر بیل لگی ہوئی۔ ڈاڑھی چڑھی ہوا ان موچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال۔ انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا۔ میر جعفر زٹلی سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی۔ نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کردیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا۔

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اسپر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے۔ شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی۔ کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگذشت من این است۔ بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا۔ ان کا کلام بالکل جعفر زٹلی کے رنگ میں ہے۔ میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

اے در ہجر حسن تو گشتہ بہ چار چشم — زیر مژدہ نغمۂ چو آہو بہ چار چشم

بر فلک شب نمی طپد انجم — دل بستم زدسوم ی دہرکد

دست و پا میزند عادو در رن ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قرید ایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی خراب
بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب
اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب

پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب
کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں ہے اے انقلاب
اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب

پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں
غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنسکے بولی اے میاں اس بات کا قصور کیا
تم ہی سمجھو کہ وہ اک آلہ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈ لیجئے
داڑھی کی گھاس پھونس کو لو کا لگائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وسکی اڑائیے
القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے

جو بات اس مٹی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے
مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منہ کو موڑیے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب پاؤں جوڑیے
ہونٹوں کی یہ ہے کہانی دانتوں کو توڑیے

پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجیے

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

جدت کا جسمیں دخل نہ ہو چھوڑ دیجئے وہ کام
گھوڑے کے منہ میں بھی ہو دم میں ہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکرسے ہو سلام
اس منہ سے اب بولئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑیئے
عینک سے کام لیجئے آنکھوں کو پھوڑ لیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا - منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے - شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے - ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے -

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو
کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرت کو
جمع کر کیا اجاڑ ڈالو گے

علی - قلچاق - اوباشں اصفہان کا سربرآوردہ شخص تھا - اسی مذاق کے شعر کہتا تھا - ایک شعر یہ ہے -

تعلیم بچہ پرورست گرہوس بود
برخیزد سر بپائے علی قلچاق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا - کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں -

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی - ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے - گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شعر یہ ہے -

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تجھ پہ ہاں　　شمع سی ہے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین - مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رام پور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے - مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابریں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ انکا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں -

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد　　شبہ ہیں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد　　گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد

در سرشت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو سے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے　　کہا یہ رندوں سے لیجئے سلام شیشہ کا

بندہ کی طلب ہو گئی تو سرکار میں آئے　　خلوت میں نہ حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک ۔ افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا ۔ اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بیز خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی ۔ جو مرزا غالب کی غزل پر کہی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے ۔ مگر ان لوگوں کے لیے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان عجیب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو غالبًا اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا وار بند ہو گئی ہوگی اور ع نزاکشیدہ دولت از قلم کشید خدا ۔ والا معاملہ پیش آیا ہوگا ۔ بہر صورت غزل یہ ہے ۔

شب چراغ عقل تصدیع خم فانوس تھا ۔ کسوت شمہر کاخ غیرت فانوس تھا

نائرا و شموس غرفش ناقوس تھا ۔ لالج لامع لعوق زاہد پالوس تھا

زندرود شرلغ ثیلغ آسودہ ناموس تھا ۔ زورق رہ ہلاک تختہ کابوس تھا

شبح لذاغ ایراد خلاغ غشتار بود ۔ قسوت قرطاس قرطاس قاموس تھا

قلقل صغرلے ترح کرو بیاں ۔ محبط مخروط الکعب شمسہ قابوس تھا

فزل نخاس کوس چل نفاس تجع ۔ قلع زنگا رقسط قصر کیگاوس تھا

شحنہ جیع البقر جم مغاک قعر صفر ۔ صفرہ شت نفوس نیر ناوس تھا

نخلع کلغ غخشن نرکل کیف البول ۔ سیسر مس ملین قطرب جاسوس تھا

صفرشا فرس قاع خاطا ماق لیف خد ۔ مجس قطبی فصال نفخ نطلیموس تھا

حرقت محروق قسطا غرق حاوبرد ۔ تیدان تشیح خل گوزم گنجوس تھا

سوبت ناسرت سود فلسطین مستقیم ۔ سوسمار سود سنجاب طائر محبوس تھا

سنڈباد وتین سنجاب سنوات رقود ۔ سم سلجوق حمار قطر جالینوس تھا

لخشہ لحن نکبا قرمز ہنجا روف ۔ قصہ خسر نبی خمار رغبت طاوس تھا

لف و نشر حریہ بشیا دخناس مثیل — نیر شے باز و مکاو جنگ زا ر روس تھا
قاقم ارجاع تھا طاب نشف انعتاس — طارم فقدان لب چیخ صنو ر شمس لوس تھا
طمطراق نسر طائر قد غزن بنت العنب — فیلسوف منع شیوع شعشہ معکوس تھا
ضعف شرح طاطا ماست صغینہ المحذر — حقنہ لقن عشق موج حسرت ابوس تھا

عنت غولی — ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ میرے کرم دوست ہیں۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں، وہی درج کرتا ہوں۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد — وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوشِ تمکنت اللہ اکبر — کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس تو ہے بی شیریں کی پریں — نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں جنوں کی یہ ترقی کر گیا — آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ گھوٹی رہی پونچی پھانک کے سوتے ہیں ہم — کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں
کون سی بات لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے — بھائی مجنوں سے تو ہیں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں مجھ سے بچے پھرتے ہیں ناحق غولی — کچھ بھی پسلی بھی نہیں میں کوئی موٹا بھی نہیں

دنیائے نظارۂ حشر کی بدلجائے — نیفہ سے اگر ان کا کمر بند نکل جائے

فتحی - نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا شفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی ۔

اے شفقی یک چند بتو پرداختہ ایم	با اشتر خود ترا قرین ساختہ ایم
دو گوز ہمی زند تو میگوئی شعر	اورا بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا - مولوی عبدالوحید نام ہے - گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصے سے بہن پوری میں قیام ہے - مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں - نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی۔ سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی نیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا	مقابل لیٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ ہو اچھا نہ ہو اچھا ولیکن ترے کپڑے	نئے ٹیپو کو کیا ٹکر ایلیسر ہو نہیں سکتا

فدا - سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے سرت فداشاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے۔ سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ انکی تعریف کرتے تھے۔ آخرکار غزل گوئی ترک کرکے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا — اس کے نزدیک سانس ہے بھالا

فدائے سخن - اودہ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دہڑلے سے — شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو — کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی یہ ایوں کے — کل ملے تھے جو اک بلائے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو — لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بدہیاں پہنائی جائیں — ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی الجھتی ہیں — ایک عاشق مزاج جھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ — آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد - تخلص مولوی وحیدالدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف دہ پھنگہ ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہوئے کبھی — عمر بھر بندہ تو نا محرم رہا
سطح سینہ پہ ترے ابھرا تو خنجر کیا — ابھرا ابھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا سا

وہاں چھاتی ہے گدرائی کیونکہ یہاں کھٹکا درخت بار ور میں باندھتا ہے بلغباں کھٹکا

فصاد۔ نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو۔ نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ چونکہ اس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی مے خون جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے کبھی نہ مل سکا۔

فغاں۔ اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن کو گھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہئے انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو ۔۔۔ سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چہک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ ان کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہونچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دیے ٹکسال سے ۔۔۔ اشرفی خانم کھونگی جا کے کندن لال سے

قاآنی۔ حبیب نام تھا۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دور آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی۔ کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس مسکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔ ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں۔ بقیہ اشعار ان کی گلستان سے منتخب کرتا ہوں۔

پیرکے لال سحرگاہ بطفل الکن ۔۔۔ می شنیدم کہ بدیں نوع ہمی راند سخن

کاے ز زلفت صصصبحم شششام تاریک ۔۔۔ واے ز چہرت شششامم صصصبح روشن

تتتریاکیم واز شششہد لبت ۔۔۔ صصصبر و تتتابم ررفت از تتتن

طفل گفتا ممن را تقلید مکن ۔۔۔ گگگم شو ز برم اے کککمتر از زن

ممی خواہی مشتے بہ ککلت بزنم ۔۔۔ کہ بیفتد مممغزت میان ددہن

بپر گفتا وڈ و اللہ مم معلوم ستا ہیں — گگر ادم من بیچارہ نادر الکن
ووہ ہفتا دوہ ہشتا دوسلہ لست فیخول — گہ گر گنا گ ل ل لالم ہہ خلاق زمن
مم من ہم گ گنگم مم مثل ت ت تو — تو تو تو ہم گ گنگی مم مثل مم من

قایم ۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قایم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہر حال چاند پور مدینہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شایع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قایم کی عمر کا زیادہ حصہ دلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاند پوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور ان کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتداے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آں محاورہ او درست گشت"۔ سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ ان کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم | بیقدر کریں ہمکو جو دیکھیں زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ سمجھے سجدہ | محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں | میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہو
کبھی کھا کے گرا اور کبھی وہاں مجھکو | نِت ہتھنگ کیا تونے اے میاں مجھکو
تاہم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی | اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قمرؔ ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نبا ہنے اور اسم با مسمی ہونے ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تم کو ابھی | جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھا لاتا ہو
کس نگوڑی کلموہی نے بد عادی لگتی اسے | شہر کے چکلوں میں قمر کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اپنا بانہہ پر بوا | ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں
بیٹھکر ٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا | مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں
مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم | بیسوں کا خون جلا کر جو کھلائے کوئی
ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور | کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں بوا | اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے
اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں | مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو چھڑا دوں کسی طرح | قرق اک ہائی کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

وہ روز بھی تو میں نہیں رہتی ہوں چپ بیٹھے ۔۔۔ بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں
بیزار سے مری جو مُئے گھر نہ آسکے وہ ۔۔۔ طوطے چشم ہیں دو دو بچھتا کے کیا کروں

قُفُنُس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معدوم الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقمل قطلان و قلام قاطر قاد ۔۔۔ تقفیل قام قلا عد قرومز قال قیم
تریم قوسع قرائم قرعقرم قربوض ۔۔۔ مقعسموق قریقم قریشم قالیم
مقویہ قورچہ قند ریچ قاتل ثیق ۔۔۔ قردق قا مرق قا قلاں قوغ قمیم
لقوق مقمقہ ما قلاں موق مقاق ۔۔۔ مقیر مقاسہ مقمساق ما قلقیم
قمام قنقنہ قند شین قہ قل قیز ۔۔۔ حقوش قفت قلا قوش قعنق حقفنیم

قمر - یا جان - یا ہاتف - حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں نمبر۱ قمر نمبر۲ جان صاحب۔ نمبر۳ ہاتف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا ۔۔۔ وہ آج مارتے ہیں تمنیا الم کسم

لنڈن سے ہوکے ہند میں جب آنے مانگتا — ہم جورو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگتا
ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ — اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا
ہم دیسی حقہ دیکھ لیا گسہ کر لیا — یہ قول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا
کھانے کا کپڑا ڈالنا سینچے نہیں پسند — کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگتا
مٹ بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے — صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگتا
گنگا جلی کھراب ہے جھم جھم پھجول ہے — ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگتا
مٹلب کچھ اکا نام نہیں چرچ میں ہیں — ہم گھوڑا گاڑی کرنے فلٹ جانے مانگتا
مسٹر فلپ جو آتا تو کھُش ہوتا ہم بہت — جب باپ ملنے آسے تو سرمانے مانگتا
ہم دیسی لوگ کی طرح بکتا نہیں پھجول — صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا
کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کھراب — جب دیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگتا
جاہل پہننے مانگتا پاجامہ لوگ کو — ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا
سر پر نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم — ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا
پیتا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوکوف لوگ — ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگتا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ویل ہاف صاحب لوگ لڈیا کھوب یہ گجل — سب لیڈی لوگ باجے پہ یہ گانے مانگتا

—— ❊ ——

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوییت نہانی — کہ غیر از سارہ بانش کس نہ داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں — کسے داند کہ اشتر میچر اند

کافر ٹکہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب یہ شعر نہیں ہے ٹکہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکہ مشہور ہوگیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر ہزل کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسنے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں ۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی　　زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر　　یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافرک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے ۔

پدرش گر بناتش دست برد　　پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ برد زود دستہائے پدر　　بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبر آبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے ۔

میں کہا پاس تو آ میرے تو اے ماہ جبیں　　تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں　　ہنس کے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں
میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے
میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور　　میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو یا بہت بولی کوئی شاہد　　میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا — چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا — لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے — جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جا کر — آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں — اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا — یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ — سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا — تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمھارے گھر پر — دولت سے لگے اُسکے سایہ آنے
پر کھا مری بات کو وہ چالاک — معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھ سے ہنسکر — بھیجا ہے تجھے آج بے حیا نے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ — جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل — تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ پیچ کی باتیں من سے کالے — کیوں لہر میں آئے ہو دولنے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے تنفض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر۔ عزت محمود۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی — ایک مجھی سے خبر لے اس دل ناشاد کی

کالی بوتل سے پلا دے جلد اک جام شراب　　کیوں خبر لینا بخوبی ہی مجھے حساد کی
گنڈیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا　　پائجامہ کی وضع تم نے نئی ایجاد کی
اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو　　چھوڑ دینا اب روش اس لغو بے بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تا اینکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشنیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہرحال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے　　پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا
ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح　　موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا
توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن　　کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا
بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز　　ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا　　یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا
اب خدا جانے کہ ڈھمل تھے کہ دل کے ٹکڑے　　جو تیوں سے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدۂ وصل کبھی یار کا پورا نہ ہوا
روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ
یار کیا خوش جمال ہے میرا

میں نے بوسہ لیا تو روٹھے کیوں
تم بھی چومو یہ گال ہے میرا

ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر
اے میاں اس یہ مال ہے میرا

اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے
اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا

سب خمیری چپاتیاں میری
پر یہ اک شیرمال ہے میرا

دیکھ پر دیں کو وہ یہ کہتے ہیں
منھ کا تھوکا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک نے کلماجرا
اک رقیب روسیہ نے مجھ سے آکر یہ کہا

کون سا میں نے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے
وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا

کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدمعاش
کوئی بتلاتا ہے الّو کوئی کہتا ہے گدھا

کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل
کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا

کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا کسکے خلاف
کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا

میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر
بات اتنی ہے کہ ہو ..... کے .....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب
غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب

یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھئے
خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی
وصل کی رات ہے یا فتح مہما کی رات

ہیں بلائیں کبھی سر کی تو کبھی قدموں کی
لیلۃ القدر ہی بنی ردبلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ
کہتا تھا ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ

اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی آنسے گھونگھٹ
بھتیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ چٹ

جل رہے ہیں جو آتشِ عشق سے لاکھوں عاشق
یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ

رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر
کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ

کسقدر حضرت کشتنیز بھی ہیں شوخ مزاج
نام معشوق کا رکھا ہے میاں پر چاپٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا
ہیں یہی اس لڑائی کا باعث

ہے وہی قفل اور وہی کنجی
پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث

جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق
کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج
بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج

دینا ہی جواب انکی دریدہ دہنی کا
کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج

جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر
لی حضرت کشتنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چڑھے آتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح
بات کرنا ہو کرو دور سے انساں کی طرح

آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھوں
بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح

ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر
پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح

سنکے اشعار وہ کشتنیز کے فرماتے ہیں
کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہی دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا
جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند

گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں
جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شب وصل وہ البیلی ادا سے
لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمربند

قیمت بتاتے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پر گھمنڈ
کشنیز ہمکو اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے
اس شہسوار کو جو ہے رہوار پر گھمنڈ

پھنسے بیطرح آکے وہ میرے گھر
نہ بچنے کا موقع نہ جاے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر
کہ چڑھ جاے ہتے کوئی سیمبر
گئے میر کشنیز جب اُن کے گھر
مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل شب رقیب
بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں
اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گذر
مزے سے گذرتی ہے قلاش کی
نہ چور دل کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے
نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا
کہ اک میم کشنیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر
نیا تعلق نیا ہے رشتہ بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں [illegible]
گر کہا نتار کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا
وہ آن مجنوں یہ شان لیلیٰ بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز
بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے
خوب ہیں دہر کے نشیب و فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے   باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً   اُسنے جب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے   میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی   پھر لیچلا ہے دل اسی پیمان شکن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی   کچھ اس وطن کے پاس ہے کچھ اُس دلہن کے پاس
کشنیز اسکی بیوہ دہنی پر نہ جا یہ تو   گز بھر کی اک زبان ہے اس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز   دی تھی اسپیچ جو کل بار میں پینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا   تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں   ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ الم الام نہیں سمجھتے ہو تم مجھے   آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں نظم کا پورا لٹریٹ   اندھے سے کام ہے انہیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں   انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا   کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مروڑے ہاتھ دشمن نے یہاں تک   کہ جھکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ انکو   چرا کر بیچ آئے پاندان تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ
اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پر جھم آئے بال
ہو گیا ختم اُن کا حسن و جمال
رکھ کے موٹا سا دوش پر ڈنڈا
میر کشنیز چل دیئے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں
بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں
وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا
شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی نامتدری
جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہے نہ بچہ ہے نہ انڈا ہے
تمھارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

سانہ لیٹو کھڑے کھڑے گھٹنے مرجاں
کہ اُدھڑی ہوئی ہے میانی تمھاری

ذرا میر کشنیز پگڑی سنبھالو
کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں چین سے سونے نہ دیا
جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی
وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے
پیتے پیتے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر
شیخ کی داڑھی ادھیڑ کر رہ گیا
عشق میں صورت ترے کشنیز کی
گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گیا

خونِ عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیرت سے مرنے کا نتیجہ دیکھا

چوما چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم نہ تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے نمٹا کر دیا

جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی نجارہ

کمترین۔ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں بے بہا کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص کا نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں۔

نو خصم گن کر مشکل نے کیئے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن بیٹے

پلائیں مفت نصرانی کو باڑی — اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈ و نسیہ را تو نہیں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر یہ را تو نہیں

دیکھو یکہ ان والی کی مزاخیں — خصم کے روبرو دیتی ہیں شاخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے سر کے دو گے نازک بدن پیارے

گمن۔ ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیوں میں بھنگ گھوٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔

ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موے شمر کو بس کیکر کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے - ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا - اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں - اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں - اوائل میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے - ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا - اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے - عطاری کی دوکان کرتے تھے - جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا - ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا - بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - اور خود بھی ہوا مشاعرے کیا کرتے تھے - اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی - اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا - ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا - مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا - جس نے تمام لذتوں سے محروم کر دیا - کچھ امراض پیدا ہوئے - اسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا - اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا - کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو - مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں - اور زندگی گزار رہے ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دئے تھے جو درج کرتا ہوں روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کرکے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲ - ۳۳ سال ہوگی -

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اے کاکل
بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ مونچھیں ہیں نہ داڑھی ہے

الٰہی کس طرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت
وہاں نازک بدن ہے اور یہاں اک اونٹ گاڑی ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ
ترے قدحے میں زمزم ہے مرے کلہڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی پیپر انہیں ملتا
وہ کیلا ڈھونڈھتا ہے اب جسے کھیرا نہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا
وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیرا نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر
خدائی فوجداری کرتے ہیں وہ جواں ہوکر
کھیر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل
اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو
کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیاں ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں
پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا مجھے بس میں
دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے
چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا
اُڑتا ہے جب کبوتر پاموز آپ کا
دنیا تمہاری چشمہ فیض کرم میں آہ
میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کو دن عبدالعلیم نام تھا۔ شفدر میں جب راقم الحروف گڈھ مکتیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ ایک صوفی درویش منش آدمی تھے۔ اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

جب سے ہوئے قلندر اور چاندنی گھٹائی — جب خوبرو نے دیکھا اُسنے چپت جمائی
یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں بہنیں — فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی
کل ہم میں کچھ اُسنے کی اسطرح دکھائی — جب ہمکو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

اچھا ج مانگے ہے مصور بخشیں ابھی بھائی نہیں — اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے — بلی کی میاؤں میاؤں کوّوں کی قاؤں قاؤں
گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں — اے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونسٹا - مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں - مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے - یا ہیں - بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے - مگر ناکام رہا - بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے - بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے -

ہائے کھٹمن چارپائی بھی ہے چپ — آج وہ آواز چرخ چوں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان قصبہ شمل — لے کمانے کھانے کا بھی جھگڑا جاتا رہا
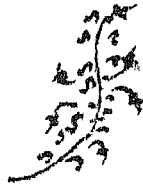
حرف گاف فارسی

گرم - مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے - ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہے ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو -

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم سے آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام - شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخ صاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا - اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا - مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - شیخ صاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا - شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہنچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے - کیا آپ نے

کبھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اس وجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔ سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہو گئے پھر کیا تھا دوپہر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آ رہی ہے اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب و غریب شاعر کے لئے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں اور مسترد ہوتے رہے۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس پچپن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا اور سیکھے ہی رہ دو دیگرے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آگئی۔ احباب کے مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز بھر دل کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید داڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی ایتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہو گئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب کا سنگار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دو رویہ سلام لیتے ہوئے چلے جا رہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہو گئے

آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی ناہمواری سے لطف اٹھائیے اور بے پروائی الابالی کیفیت خلقت پڑھتے جائیے نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو بابو شنکر سنہ ۱۹۱۰ – ۱۴ – کے عظیم الشان مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سر پہ عرش مکلل ہو گیا

اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہو گیا

ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہو گیا

اس مضغۂ گوشت کو کواکب پر رتبۂ فوق الفوق حاصل ہو گیا

سفینۂ مردمک چشم مضمون رخسار کی منزل ہو گیا

داغ جبیں سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہو گیا

ہمنے نقد جان و مال و وقت منتظر کر دیا افلاس کا حل ہو گیا

لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہو گیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو نسخہ مکمل ہو گیا — رخ پر نور کی طباشیر و جبیں کا تل دانہ ہیل صندل ہو گیا

تنگدستی سے ہمارا حال بنظر خلقت مستبدل ہو گیا — اے رحمت عالم اب تو مکافات رشتی عمل ہو گیا

حاصل ہو لیاقت نعت کی دبیر چرخ کو غیر ممکن ہے — یہ فخر ازل سے گمنام نازک خیال کو حاصل ہو گیا

حرف لام

لا اعلم ۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک وانکھوسٹ (واسوخت) سنئے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں ۔

کاکہی کہو الا کے کا رکھت چیت رہے　　گاؤں ماں جائے کے کنکوت کھیت رہے
آپ پیٹہ ہم اسامن کا سدا دیت رہے　　اپنے مہتوں سے بجز بھینٹ بھی لے لیت رہے

کاہے جر جائے کرنج اب نہ تما کو ہوئے کے
نیہہ کی جھو نجھ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کہوں تم تے دہی ست گجو دھر جانیو　　ہمکا منی نہ کہیو منی کا مانجھر جانیو
تمکا نائب کیا آپن تم اپن گھر جانیو　　اس کہیو کام نہ اب آپ کا لر کر جانیو

کہر ج کی اور سے تنگی نہ دیہو تم اکا
تمکا سوغت ہے رکھیو چین سے ٹھکرا ئن کا

جیو تو بیاکل ہے بہت کاکہی اب اپنی کتھا　　بیت تو ہوت مہاروگ ہے بس نشی اکا
کتیمہ جبر پروا ماں جہودن تے سنا صاحب کا　　کھوب بالن ماں ملا تیل کا جلیچھن اینچا

دھر کے موڑسے پہ چمکدار پٹریا نکسن
جیسے تنجات ہے پھن کاڑھ کے کریا کسن

کالھ ددی کوس پہ ان کا جو سنا سب مقام
جیو ماں آدا کہ کرن جائے صاحب کا سلام

چڑھ کے گھوڑے پہ تڑسے ٹھاٹھ سے تھامن جو لگام
گھوڑ کس پینگ بھرس کا کہی تم تے کا نام

پاؤں دھر دین رکابنا میں جو کھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں پڑی پال رہی کس یورت
بیٹھی اوماں رہی اک کامنی سندر مورت

ناسب اب کاکہی لبو رام دئے اس بھل صورت
ہم جو دیکھا تو رہا دور تے ہم کا گھورت

دھر کے کس پینچ دہس ہمرا کریجن جیسے
میکوا کاہے یہی ہے ناکہت ہن جیسے

پھر کہاں تاب رہی گھوڑسے کو دن جھم سے
من ماں یہ سوچ کہو ایسے ملن جاجم سے

ہائے دیدی کہا اور بھوئیں ماں گرن لیس ہم سے
ہوئے گئیں گست عجب بوڑ گوا جیو گم سے

میکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبرا وا
بولا دوڑ سے کوئی ٹھاکر کو ہے مرجھا آوا

ہمری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر
دوڑ ے گھبرا ج مہا پال بھولن بلبھدر

گوڑ نچس کوئو اور کوؤ سنگھاوا انتر
اور کوؤ یہ کہس چیپت ماں آؤ ٹھاکر

ہم مدا کوؤ جتن سے نہ جگائے جاگن
گرپڑا وا جو بہت پیٹا تلاسے بھاگن

ہم تلاسے جو گئن عب تو وہ چنچل بدکھاؤ
میکوا تے یہ کہس کاہے رے باری ات آؤ

پال تے کھینچ کے پلنگا تنی باہر تو بچھاؤ
تو ہرسے ٹھاکر کا تو ہم بوجھ گئن سب پہناؤ

یہی پلنگا پہ جب اہیں تو بٹھائے با آنکا

اُن کے بھینن کا مجا کھوب چکھے با اُن کا

ہم تلاسے سے پھرن باگ ماں پلکا پاوا — تب تو ادہی چھیل چھبیلی کا ٹھنک بلواوا
پاس بیٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا — تم تو تکیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہا اُنسے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو
میکو اکا ہے کہن ہنسکے و لگی نہ کرو

دوس تو بیت گوا ہمکا ہوئیں باتن ماں — جب گئے سورج اسٹے اور ٹھنک آئی رات
ہم کہا اُن تے کہ ہم تو ہن اب گھر کا جات — بولی رہ چلنے کی کچھ ہوت نہیں ہے بلکات

اس نہ تم نہکی نہک کو وُکا جیو جارکے جاؤ
جی سکے اب کا کریئے جات ہو تو مارکے جاؤ

اُن کی انکھن سے لگے آنسو بہے جب جھر جھر — پھر تو تھامے نہ تھما جیو کا مسوسا دہردہر
ہم کہا رو نہ جیوا اپنا رہت ہے پھر پھر — ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ ہے نکست بھر بھر

ہو سکت اب تو ہے اٹھ کے جاؤ کیسے
بیچ کیے جھرسے بھلا گوڑ اٹھاوب کیسے

پھر تو بس رہ گئیں بیٹھ ماں سکا مارن — اُٹھ کے پلکا سے گئیں پال ماں دنیا بارن
انگ سے کے ہے انگوچھا کا بچھونا چھارن — اور اسوئن کی مہاگا اسے ہم پر ڈارن

ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا کیجیو
کھرچ آپن نہ کبھو ساکھ ہے سیدھا کیجیو

بولے تم روج یہیاں کاہے کا آوا کریو — اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کریو
ہم تو جانت ہیں کبھو منھ نہ دکھاوا کریو — بیٹھو بس تم بھی بکو اس بچاوا کریو

میکو اپیڑ تلے جائے کے چوکا دیدے
دیدی کھٹیا ترے جیرا ہیا تو اوہ کا دیدے

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند — بل آنے پہ دیتے ہیں پانی پانی

بڑی بھنا رہو لی کی جو کھیا ہمرے شن پائن — بلوا بھیج کے تو آ کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی خاطر سے دست ہمرا اکہ کے لپکیے بھیتر — بچھونا وہ رسوتیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن
گلوری دان چاندی کا کہن بھگو اسے لیے آو — دساوری پان بھی منگوا کے بھوجی سے لگوائن
کچوری پوری ۔ ربڑی مال موہٹا اور برفی تکونے — وہ بھوجی لوک ناطن سے وہیں چکوا کے منگوائن
گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر — پڑکیا اور سیٹر پا گھروں اپنے خوب پکوائن
غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھی ہمری — ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن
بدل لنگا دو پٹہ بھوجی گا و ل ہاری بلوائن — ہماسے قرب مال چھلا کے گانا خوب سنوائن
عبیر اور بکاسب کلہا سیا بھر بھر کے کھڑیا میں — ملن بھی ہے کے گلوا ماں اور اپنو خوب بلوائن
منگا لیس دار و مہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل — بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہڑ دیتو پلوائن

دہشت ترے عشق کے آزار کی ایسی تیسی — کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی
جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی — ایسے بیہودہ دل آزار کی ایسی تیسی
گھورنے کے لیے اچھے ہیں کھانے کو علیل — یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی
سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے اے جانی — تم قبل ہی رہو تو زردار کی ایسی تیسی
بات کرتے ہی وہ چندیا چپت دیتا ہے — ایسے معشوق بد اطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو جو آئی — اٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مردہ نہ بستر پر
لاغر ہوں میں اتنا کہ نکلیا سے جو چھینکی — اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

. . . .

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج پھلجھڑی بنے ہوئے — کرتب عجب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے
نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھ کر سناتی باد ہوائی ہے یہ بڑی
آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے چھوڑ دست مشاطہ کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے
پاتا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر پڑی پڑی
آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب کا مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا
گر گیا لندن کو تو وہ معدن تہذیب ہے — سمجھ لیں گے شہر میں بن کا کوکب گیا
جا لگا ہے جب سے کو مرکب ہیں ہزاروں لاکھ حج — الحاد کا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا
ساغر مے نقد کو شریعتیاں ہیں نقد حور — کٹ گئی جنت کی کھڑکی اب کے گر لب گیا
ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوٹ سے دین سری او سب گیا
کیک کا ٹکڑا کوئی اترا گر پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں کا جو گیا اعذب گیا
کوٹ پتلون سے لفافہ سترپوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا
آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوشی آمد خوب شد — گر تعصب چل دیا اولی گیا انسب گیا
بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی سبیل — یہ بھی اچھا جوش ہے گو جوش مذہب تھم گیا
گرچہ ہاتھوں میں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض و واجب گیا
داڑھیاں منڈا دیں پر اسی میں بھی ہے اک فائدہ — شاہد دکے قلب سے اندیشۂ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کڈھب کیسیلوں کا ڈھب اچھا ہوا وہ مٹ گیا

اب کہئے تو کیا نہیں ہے یاسی سید
موجود ہیں ہنت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان شہیں صاحب
حجام ہوں میر اور مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف ہو مستر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں ہیں جب گھر گھر سید
مسٹر تو بنے گا آن سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں سے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور ناک بھی ہے
رشیا پہ منہ آئے میں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منہ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے بھی ہے اشتعداد
گر روس کے پیشتر کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منہ پہ تو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافقرے — اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوسکے —

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھر سے
بال صیاد کٹ گئے دھڑ سے
ساتھ نکلے نار و لپو شندھی کو
ہزل گوئی کے خوشنما چڑسے
وہ خفا ہیں تو کیوں منائیں ہم
میری جوتی سے جوتی ان کے گھر سے
بلبلیں باغ میں جو تک سکیں
میرے نالوں کے دلنشیں سر سے
مر گیا پاس رہ دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پرسے

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا　　میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

مجرد - محمد پناہ نام تھا - دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے - اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا - اور اسپر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوے کبھی نہ جھجکتا تھا - خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو -

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پھٹا　　اس ماہ سے نکاح کی جو رسم وراہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹایرڈ ہوکر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے - ایک دیوان چھپوایا ہے - جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے - اور اسبات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعوی صحیح ہو یا نہ ہو - مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے - ان کے دیوان کو اُن اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے - محسن اور عنقا دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے -

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا — راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا

ہے یاد بندی کو بھی وہ لٹکا بگا پھروا وہ بھیگا بھٹا — نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ ذرگی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مچھر پال گھر کا — کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مچھر بچھا اپنا

ہر سانس کا ہے کیوں سوت ہے وہ ہماری ہر طرح تو ہے وہ — نہیں ہوئی ہوتی خوب ہے وہ بگاڑا دشمن نجے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر بجز وا عدم آباد کا — حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس دل ناشاد کا

کسبی کے گھرے لگا کر بیٹھتے ہو ہاں تم — واہ کیا کہنا ہے مرزا آپ کی اس یاد کا

نند کی چال تو نہ چلکر آ گئی ہیں چال میں — تھا سبب بیگم ہوا یہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار افسوس ہوا — گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے چوتڑ اٹھلے چلیے — خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جھوٹے کی لت بھی لگا دی ہے ثواب کوا دی — زندہ در گور ہو باجی موا دشمن انکا

پچھلے ساون میں تو تھے سوتے گھر میں دولھا — دیکھیے اب کے کہاں ہوتا ہے ساون انکا

دولھا بھائی یہ سوئی ہو گئی ہو عاشق — گوندھتی ہار ہیں کیوں نام ہے مالن انکا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا — کیسا ننگا ہے نگوڑا اپنا پچھندے بھان کا

ہو گئے ڈھول خالی شیخ جی تم — خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھروندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے — مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب — لگا رہا ہوا کھٹکا موی سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو کپڑا کیسا — چھوڑو دگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منہ نوج ہوا ایسا کسی بندی کا نصیب — داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے — دولھا بھائی سے بیٹھے لے ہوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو پھر ہے باجی — اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سر زمیں پہ جائے ہے آسماں نصیب — گوئیاں رہی ایک سا ہی یہاں اور وہاں نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر ہو جیسی لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب
خام ہے یہ ادھیڑ بن گیاں چھوٹتی ہے میاں سے کیسی کب
آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی رہتی گو ہر کو ہے بیگار بہت سے
لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ کہا باجی نے دتا موئے دور ہٹ
انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا اسپر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج
در بدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد
سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں ہو گئیں دیکھتے ہی اماں شرخ
جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد
کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی میری چڑ ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ
ایک دو تین اوئی بوا حد ہے کس طرح اٹھیں چار چار کے لاڈ
اب نہ جائینگے چھنا لوں کی گلی میں مرزا قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پر
یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر چھلکی والی پہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر
روئی کپڑے کو بھی ابیگم بوا احتاج ہے آگئی تھی چال میں ڈپٹی کا کلکٹر دیکھکر
کرے گا خاک موا بیوی خاوند کا لحاظ نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکی اتجا کا لحاظ
رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ دن کا لحاظ ہے نہ انکیں رات کا لحاظ
مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع
ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا ہیں مصاحب اُن کے کٹنے مینگے مردار حیف
ہے رنگیلی ترا بوڑھا میاں اللہ کی عطا پیپلے منہ کا خمیدہ موا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا جاکے رنڈیوں کو بلا دگے یوں شراب کب تک کباب کھا کھاکے سوچیے تم کروگے ہمکو کباب کب تک
اجی وہ بالا نہ لاؤگے تم یہ بالا کب تک بتاؤگے تم کبھی تو گھر سے پہ آؤگے تم کروگے ہمکو کباب کب تک

موا فتنے میں یہ خنجر ہے ہیں پاؤں پٹی پیچھے سر ہے — نہ روئی کپڑا نہ گھر ہے نہ دو ہے پھر نہیں دھرا اب کہ تک
پھر میرے سامنے وہی چھل بل کی بات ہے — رہ تو سہی لگاؤں تیرے بانکپن پہ آگ
ہوئی بیخود شرابی یاد آیا — اری لینا بوا گو ہر چلا دل
نہ جھوٹ بولیں گے چار میں ہم ہیں تو ذرا کیا نہ زاہد ہیں ہم — ہیں بر قا طلبے ستا رہیں تو ہم ہر آن دہی تانی ربا ہیں ہم
چپیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں — آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں
پھر ا مغلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا — موئی بیگم کو تو چاندو بھی پلا لیتے ہیں
رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوں چھیڑ کر — دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں
ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق — پھو نچاؤں بیچ ہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دل کو ترایا ہوا مجھسے مارا رات کو — ڈھونڈ ہتا پھرتا تھا تکیے کا سہارا رات کو
بھیجا سالن گھی کا بگھار چوری چوری اپنی یار — دیکھو بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو
چھوڑ کر زلف دوتا رخ پر بوا میں سو گئی — وہ بجایا ہی کئے اپنا دوتارا رات کو
رکھا جب مرزا نے ساغر کو ہر تکیے ہاتھ پر — پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگوا لئے آمین نے — دیکھو تو گالوں کو بوا منگوا لئے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ — گوئیاں ملانا ہجر زدوں کا ثواب ہے
دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا — مجھکو تو سوئی نگوڑی نہیں چھو آتی ہے
تربت پہ آکے بھڑوے نے ماری جو ایک لات — سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے
میرے ہی سامنے موئی کسبی سے دل لگی — بس بس نکل چکے مرے ارماں چاہتے
مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے — بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے — وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے

نہ مارو شیخ کو بے موت باجی — نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے

نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیچھے — بڑا نواب کا سالا بنا ہے

ننگی نگوڑی باتیں کبھی اور سب کے سامنے — کچھ تو حجاب پیارے میاں درمیاں رہے

ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے — لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے

بوا رو دیں مجھے جب پیچھلے وہ — بُری ہوتی نگوڑی مامتا ہے

بناتا ہے موا دل سے یکے باتیں — بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر۔ عبد اللہ خاں نام۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے۔ میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔

کہیں تم چوچلے میں بھید کچھ اُنسے نہ کہدینا — مزی اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق۔ اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ گل باغ مراد مادۂ تاریخ پیدائش ہے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک

حاصل کی۔ سنہ ۱۸۹۷ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا
کیا زمینداروں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے
لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلاہوں کے لیے اسکیم گاندھی چل گئی
لیڈروں سرکار میں بیٹھے بٹھلائے چل گئی

امن ہی رخصت اگر قانون شکنی کو ہیں
اینٹ سے اینٹیں بجیں غائب جو چپنی کو ہیں

آپ کے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی
سیکھیے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

تباہی جسکی نہ ہو یہ بحر وہ محتاج ہے
ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال
ق
اک محب خاص کو میں نے جو پایا دردمند

میں نے انسے کہدیا یہ سچ سب بکتا ہے
خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل
کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب
آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوئے ہند پہ گاندھی
سوراج کے لینے پہ کمر آپنے باندھی

ہوئے کے شجر جڑسے اکھڑ کر گرے لاکھوں
جب سال گذشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید ان کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا
بڑی حیرت ہے ہمکو ان کے ڈر کا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی غازیان اسلامی یہ کلکٹروں کیوں
تہا دینے پھر شدھی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گرجا کی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں
ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول
ہے پولس میں کام سب تو تھانہ چوکیدار پر

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائےصاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۶ھ میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جاے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تاحد مقدور شوخی وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہوگیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہوگی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریاآباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق ہمسے ہوائی جہاز کا ۔۔۔ بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہوگیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر ۔۔۔ رہبر شوق ہوا عشق میں انجن اپنا

ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی ۔۔۔ اے محب تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

ان سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہمپر کھلا ۔۔۔ کشور الفت میں ٹیلی فون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چندیا کاہے اب بچنا محال ۔۔۔ ہوگیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیٹ کا

کوئی نٹ کہتا ہے ان کو کوئی بندر اے محب ۔۔۔ شغل جب سے ہوگیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا
کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا

نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا
خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا

شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر
کوئی شائق نہیں گلزار نستعلیق و ریحاں کا

مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے
خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا

کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی
منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہو گیا

پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محب
آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا

چلو جلسوں میں موٹر پر اڑا دو چندے دیے جاؤ
بغیر اس کے محب پبلک میں شہرا ہو نہیں سکتا

پسی جاتی ہے اب اولاد آدم غم کی چکی میں
چڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا

نوٹ سے بڑھکر نہیں ہے دولت کوئی اس عہد میں
مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا

گھٹایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے
کہ اب ہمسے وفاداری کا گھڑا اٹھ نہیں سکتا

زباں کا اب تو دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی
نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبت لبسرٹی کو
طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا

وہ طمانچہ پڑا گرانی کا
دل غریبوں کا تلملا اٹھا

بل کیا پیش کمپنی نے جب
اے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا
چرخ پر اڑکے پہونچتا ہے غبارا اُن کا

تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا
میرے آگے نہ کرو ذکر خدا را اُن کا

طور پر حضرت موسی نے تجلی دیکھی
ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں
کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا ۔ ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب ادر کوٹ کا زمانہ ہے ۔ نام صاحب نہ لورزائی کا
ڈاٹتی ہیں حسین لیڈی ہیپ ۔ کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گران جنس شرافت کے علاوہ ۔ بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں ۔ ڈھونڈے سے کوئی دیاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں ۔ کیوں نہ ہو ہمکو شوق چسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہے ۔ یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور مے سے ہوا شوق ۔ اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہوگا
کر دیا بدحواس چند دل نے ۔ دھیان کسکو ہے وان اور پن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا ۔ چپھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا ۔ سر پہ خبب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ ۔ اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
پے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث ۔ ایک تختے پہ یہ لکھدیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے یہ عیش اڑاتی ہے محب ۔ آج ہو آپکو ترقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح ۔ بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو داری کی ہے بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح
چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کی طرح

یار من مشفق من نہیں القاب پسند ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف اس کے آگے پُران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بنجاؤ زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک یہ نزلہ مبارک یہ پچش مبارک
ہوا قتل شیخ و برہمن میں باہم یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں ایسے ہیں ویسے ہیں کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیجوں میں روتے ہیں جزاک اللہ قومی درد والفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑ یہ بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے کہ وہ ہیں اونٹ کسرت کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مر گئے ہیں نئی روشنی پہ ہم ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آ سے مسوں کی چپیٹ میں دولت وہی جو سے بنے اور چلے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک — جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے — ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے — تو اچھن آ گئی ڈولی میں ندن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ — بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب — ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس — مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی — کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہی زمانہ میں محب دو ہی طرح — چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں بُرا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول — یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

کہاں قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے — اور ہوتے ہیں تو لدا اب سخنور سیکڑوں

مدار کار جہاں اب سکّہ پہ ہے — گیا وہ وقت گھڑی ویل ہی کا کام نہیں

وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں — پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو چسکا پڑا ہے فوجداری کا — مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا اُن لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا — جنھیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلی سینری دیکھو — نہ جاؤ بھولکر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق — گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو — مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رگھو کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے — بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلی عزیز — عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک کتا ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں — کہ سوڈا اور لمنیڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پئے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے — نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

بڑھ کے خیرات سے ہے قوم کی خدمت تو آب — بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہے

مال آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجئے — جب تقاضا ہو تو کہہ دیجئے کہ نالش کیجئے

تعلیم مغربی سے کبھی پھولے پھلے نہ ہم — بوتے گئے جو بیج وہ قسمت سے سڑ گئے

کھاتے نہیں پڑنگ کسی کے دباؤ سے — مجبور شیخ ہو گئے دم کے لگاؤ سے

گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد — اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں ان سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اصناف کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت میں

رنگینی - بیان میں آمد - بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی - تقشف - پھیکا پن - بیمزگی - بہرصورت باسط نے اپنے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے - ذلک فضل اللہ الخ - آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں - مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں - ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے - ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں - شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں - آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵ - ۳۶ سال کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

حضرت دل جو کسی مس کے حوالے ہوتے جتنے گورے ہیں مقرر اسلئے ہوتے
وہ بت تیغ نگہ سے سیکڑوں کو مار آتا ہے نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے
کہاں جائیگا اڑ کر اے پری پیچھے پڑے عاشق تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے
خفا ہے اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے اگر [illegible] بندہ درگاہ بھی شوہر ہو جاتا
عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا لئے سر پہ پھر [illegible] چارپائی کا
مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے [illegible] دلدار [illegible] کیفی
کیا فرق ہے بتا دوں مسٹر میں مولوی میں وہ شاخ ہیں قلم کی کٹے ہیں یہ پرانے
جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے [illegible] کر کھینچ ہی لونگا فٹن سے
کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر غیب جمالی [illegible] کا نیا مر گئی نانی وہیں بہزاد کی
رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں تم تنبولی اسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا
بتنگ آمدم چوں شب ہجر اے دل طپاں سوے او چوں [illegible]

مخلوق - تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احمد زمان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے - میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنے میر انیس کے چچا تھے - صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے - جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا - یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے -

اے دوا دیکھو اب ہوگا بڑا شور پیدا | لو ناخنی نے کیا اور نیا گھر پیدا
مردوں کو ترس رنڈیوں پر کیوں نہیں آتا | میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق - مرزا غضنفر حسین نام تخلص ہے جونپور کے رہنے والے ہیں - پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں [illegible]زل ا[illegible]رافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا - اور مصحفی مرزا پوری کو ا[illegible] کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں - مگر اب عرصہ سے شاعری [illegible] اس رنگ کو ترک کر دیا - چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں - مجھکو تو اب شہ[illegible]ر شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے - بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے - جس میں خاندانی حالا[illegible]ت زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم ا[illegible]داز کرتا ہوں - صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منور [illegible] بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہو[illegible]ے تھے - بعد چند سے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اد[illegible] صوبہ جونپور کے گورنر لینے

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے گئے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربار داری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

تنگ کے ہوئے یوں زخم بدن پر پیدا ‏ رات کو چرخ پہ ... سے جسطرح ہوں اختر پیدا
نقش داغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے پیا کیا ‏ خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں ہند پیدا
شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا ‏ بیضۂ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا
جیسے لگتا ہے ہر تیغ دو برہمن سنکر ‏ تا ... سنار نگی سے ہوتی ہیں جوہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر ‏ ہمیشہ ناقۂ لیلےٰ سوار رہتا ہے
چلے ہیں وہ سوئے گنگا نہانے کے دن تھے ‏ اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے
شب وصال وہ ضد کرکے ہنسے کیا لپٹ لپٹ ‏ یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے
ہمارا لوٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے ‏ گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں چھنگا ڈروں کی خالہ ہیں ‏ انھیں کے واسطے یارو خراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے معاصر تھے نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اسے مزمل نازنگا گھوڑا کدا   شوخ بولا چل بے چل لگے سے چل

مست سرمست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے درج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ پٹھ ہو نہ پٹھان کیوں   خانہ جنگی نہیں ہی ہے سدا مست کے ساتھ

مضطر سید ضیا علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ تحفۂ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پرفن میں تھا   غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جیلخانے جاؤنگا   جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا

آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا   رولی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا

سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں   ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا

کھا گئے یہ کہہ کے ہم دیگچہ دپوری پیگ کی   وہ منجن میں نہ تھا جو ذائقہ پکھرجن میں تھا

ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر   ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا   سابقہ کل اللہ نے دی تھی مگر سیڈل نہ تھا

کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی   ٹرنہ تھا چوکھٹ نہ تھا بودم نہ تھا یالل نہ تھا

گارڈ صاحب نے برک میں کھ کے چلتا کر دیا   یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹ میں تو مجنوں نے کہا	مجھکو دھوکا ہوگیا لیلیٰ نہ تھی محمل نہ تھا
باپ ماں نے یاد بہن شادی کی بہت ٹھی لڑی	ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا
ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں	نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میٹر دل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے	گھیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لیئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں ۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہی کمر پر سہرا	ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا
تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے	کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا
کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے	پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا
عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے	بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا
کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر	رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے ۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے ۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہکہ فروخت کرتے تھے ۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کردیتے ۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے ۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں ۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلّی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ اور ضروری کی تکمیل۔ مشاعروں اور شعر وسخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ روبہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے اِدھر اُدھر چلدیئے۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں اگرچند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہوگیا۔ انہی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ مشہور ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہاں تک معلوم ہوسکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی نہ تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی اُن کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہد پن فواحش۔ رذالت کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیماں شکوہ کو وقت بوقت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشاؔ کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت آبی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیزیں تھی جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کیا۔ غریب ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا — سلیماں شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشاؔ کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کر دی۔ جس پر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہے چالیس ہی کے لائق | تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ میں ٹھہرے | ہم بھی تھے کبھو ذہن پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اپنے مقرر | ہوتا ہے جو دربا کہ شاگرد کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشاؔ اور مصحفیؔ میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف ہاروت میں انگلی | کی رشک نے جا دیدہ ماروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جن پر سید انشاؔ کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع ملگیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً اِن کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ | تھی اسکی دہری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشا نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناچ چھپانے کو پیل گر ۔ رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تا پہر تا ہیں انگلی

پھر کیا تھا - بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لمڈ ورا اتنا کھچا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری ۔ لئے برنج اے مصحفی رح اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ ۔ لکھنؤ میں حسن کی بندی ہے لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھکر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار دیاں قرمزی دو شالا ۔ لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے ۔ کافر کا نشہ حسن ہوجائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں ۔ لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

ناچی ہے تری عالم لاہوت میں انگلی

حایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پہ میں گیا سوانگ بنا سقے کا تو کہا ۔ چل بے چل دور ہو کیا سیکے بھی تھو آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا ۔ نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

چھینے عاشق نہ کیوں اسکے موئے ۔ کہ چشم شوخ اسکی ہے ممولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد ۔ قفس میں از پے بلبل ہنڈولا

انشا کی سخن زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گیئں تو انھوں نے یہ جز کہکر انشا کو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت
وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے

میں گو نہ سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو
گر بول اٹھے اوہی کی چوں چوں مرے آگے

قدرت ہے خدا کی کہ بنے آج وہ شاعر
طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے

سوسی کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی
گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جاوے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پاکر سنہ ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

م۔ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوئے تو آپ کے عجیب و غریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ
پوچھ لینا اب کے جو آئے کہیں زلزلہ

اے ستمگر تو دکھا دے اکی چنگر زلزلہ
جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہی کیونکر زلزلہ

اے عجب جاپان روس و مصر لندن چھوڑکر
ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہی اکثر زلزلہ

آمد آمد پھر کسی پرکالۂ آفت کی ہے
پھر جہاں میں آنے والا ہی مقرر زلزلہ

ایک میں کیا سارے دنیا کا مقولہ ہی یہی
دو قدم رہتا ہے پیچھے آپ کے ٹھوکر زلزلہ

اے بت کافر تری چال نے اکثر ہند میں
آتا جاتا ہی برابر زلزلہ پر زلزلہ

مضطرب دل تھم گئے دلدار انگریز ہو گئے
اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چپکے چپکے آکے پیچھے ہائے چھوا شام کا
صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ

ہاں بہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں
آجکل آیا ہے شملے سے اتر کر زلزلہ

کعبۂ دل ڈھ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے
اللہ اللہ اب کرے گا شیخ پکڑ زلزلہ

پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زا رفتار کا
فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑھ کر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی . کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے سنہ ۱۲۴۲ھ میں دنیاے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجاے۔ اور اس صنعت خاص کو نباہتک

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کر دی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ مہدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا اسو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے یہ بھی ضروری سمجھا کہ قسیم زمرد کے اشعار بھی نقل کئے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور اُن کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جاے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جاے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کیے تھا سبزہ رنگ اک الم بھروسہ اپنے جینے کا
نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہی قاتل مرا
نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آ گیا
ابروے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آ گیا

سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزاری ہوا
خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف سبز اب ترے منھ سے ہی نکلتا ہے سب
سبزہ رنگ آج ہیں تو زہر اگلتا ہے سب

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو ہوئے ساتھ پتے تب
کیا کہوں اڑ گئے طوطے مرے ہاتھ کے رات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کر تدبیر آج
دل مرا چاہے ہے سیر سبزۂ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں نہ آیا کسطرح
عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا کسطرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر   تھا اسی دن سے دعا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

دلامت دوڑ تو ادا سبزہ رنگوں کی صفائی پر   پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پاؤں کائی پر

سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں خط سبز   دل میں چوں صوفی صافی دل کے ہوا از سبز

کائی ملد و تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس   دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دہیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق   جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف   زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگوں پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل   اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں   میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ ہیں   کھوئے ہے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہیں

اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو   یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی   چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دنرات کی   چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہوینگے لہری ہمسے   سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہمسے

یارب سبزہ رنگوں سے اب دل میں غم بھر آیا ہے   کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

نور طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے   یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد ۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من   بوسہ وہ شئے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مقروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام [illegible] تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اِن کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت ۔۔۔ ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا ۔۔۔ ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو کبھی شہر بہت دنیا۔ ۔۔۔ ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہائے ہمنز ناریل کی طرح ۔۔۔ سربسر ہے دماغ کی صورت
اٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے ۔۔۔ غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں ۔۔۔ جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا ۔۔۔ میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر اُن کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں ۔۔۔ شانے کے دانت توڑکے اپنی زباں کریں

منحور۔ منشی اسداللہ نام تھا۔ جھجر دجھگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں بھی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔

سو بہانے تجھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے — لاکھ صورت سے اچھی بات بنائی ہوتی
کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل — جلنے کے ترے غمسے مجھے پڑ گئے لالے
سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے — لو اور سنو یہ کبھی ہوسے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے — صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھپیاں لیں گلے سے لپٹا کے — پھر لیا نالذوں میں داب مجھے
رنگتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں — کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج - خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے — اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانائی - ادیماق تخلوت سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطائبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام از پے غسل جماع — گشت رہبر طالع میمون من
کیسہ مالے باسرین چوں بلور — بہر مالش گشت پیرامون من

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق — جملہ شہوت گشت در تن خو من

طرفہ... بر سر... م نہاد — کاش بودے... او در... من

مہتر ۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر نیک مزاج ۔ بلند حوصلہ آدمی تھے ۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں ۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے ۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منھ چڑانا ہے اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے ۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر نہ رہا ۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی ۔ چرکین کا رنگ پسند آیا ۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا ۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا ۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا ۔ چند روز کے بعد یہ بھی نہ رہا پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی سنہ ۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے ۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے ۔ جو ابتک حافظہ میں محفوظ ہیں ۔

مہتر تمہاری جھاڑ و سے افسوس آجتک — سبزہ ہے رخ پہ یار کے اوصاف بھی نہیں

مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی — بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو

ہمکو اسے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا — جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ ٹوکرا

مہری ۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی ۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی ۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا۔ اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطبار کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بالا لاؤ۔ چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی۔ تو گر پڑے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کیوجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں۔ بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمائش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے۔ مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے۔

مرا با تو سر یاری نماندہ است — دل مہر و وفاداری نماندہ است

ترا از ضعف پیری قوت و زور — چنانکہ پاے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے۔ یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہوگئی۔ اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کردیا۔ مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را — زیں واقعہ شیون است مرد و زن را

افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود — پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بے نوائیوں کی شکایت کی۔ مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی۔

در خانۂ تو انچہ مرا شاید نیست　　بہدے ز دل رسیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال　　آرے ہمہ ہست انچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڈھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدود سے باہر ہوگیا۔ تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زن نوجواں اگر پیر بود　　چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثل است آنکہ گویند زناں　　در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرۂ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زودگو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ جاڑے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد　　و ز جملۂ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زریں نعلت　　بر گل ننہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا　　بفگند و بکشت گفت کیش شعرا
سرپا نہ بہ عقد می نہد پایم　　دم میدہم تا بہ کند پوست مرا

قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست　　گفتا ز سر کینہ کہ این واقعہ چیست
من پیرم و... من نمی جنبد ہیچ　　وین تحفۂ مریم است این بچہ زکیست

آنی لکھنو ہیچ کس تو چیزے نہ دہی　　صد چوب مثل خوری و تیزے نہ دہی
مثلے کہ از روغن بزرگ گیرند　　گر بر شکمت نہند تیزے نہ دہی

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا - بڑے حریف و ظریف تھے - نادر شاہی لڑائی میں
زندہ تھے - سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ
ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے - میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں
"جوانے بود آبلہ رو - سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں
آبرو - بندہ بار یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند - و مردمان را
بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر گاہے تبسمی میکرد - وطنش شاہجہان آباد
جوان از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن - اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں - "در اوائل
سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را
بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے
ہیں - "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے - امیر خاں جو
محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج
اور شوخ طبع بہت تھے - راہ چلتے سے الجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے
اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا" مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور
ظرافت مسلم ہوتی ہے - مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے اتنے
کہ ایک شخص نے بھی ان میں سے ظرافت کا ایک شعر نقل نہیں کیا - مجبوراً انھیں
متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر اُن کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لیے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ ملے سو کرت پیچ کھا — مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا — چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو ننگا — بھنور میں دیکھ کر جمنا اسے غوطے میں جا گنگا

نہ ڈھکو یار کو کہ خط رکھتا پانڈا تا ہے — سے نشہ کی خاطر لطف سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے — شعر وہ ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ لینے کہا نہ کہہ کے دیا — سے جھنجھلوں سے رہ رہ کے کیا ہے انھیں چپٹا لیا

جان سے چھوڑا ہے دلبر ہے — پہ بہ مشکل کہ طالب نہ رہے

لب جان بخش آگئے تیرے سخن — جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا یاں آنے خلل پہنچے — رقیب لا ولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

ناز۔ سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں — مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی ٹٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ شکار اکثر — جناب شیخ کا انداز ریشا کل پسند آیا
ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے کہیں ٹلے — فلا ورمل کو بھی انداز پیپرمل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا — پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا
فعَلَ یفعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر — ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب پلیڈر نہ کہو وہ مجھے لیڈر کا خطاب — اپنے کنڈر کا انگرکھا بھی مراسل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار — شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر — لیلیٰ اچک کے پردۂ محمل میں آ گئی

اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کا دانت ملتا ہے — نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا — مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلچھپ مچائی بزم رنداں میں — لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے — پکڑ کر ٹھونک ہی دوں گا اگر مجھ کو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسیں معلوم ہوتی ہے — دلہن بنجائیگی جس دن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا — رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہو گیا
ہول رسالہ میں بھی اک تذکرہ تانیث کا — رات بھر مرغا رہا اور صبح مرغی ہو گیا
اس میں کس کس کے رخ پر دی جو پیسہ کی چکت — دہ لگی کہنے کہ او دل کیا نوابی ہو گیا

کل جو گڑیاں کھیلیں آسنے لطف حاصل ہو گیا
وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا

اب انھیں یہ فکر ہے اسپر کریں کچھ فکر ستم
اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا

اب اس بت کسی نے ڈالی ناک میں جو بنی نکیل
اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا

دیکھیں کیونکر کہیں آخرت بے پیر سے
وہ ابھی بچہ ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب کے برس یار میں
کمر کچھ لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں

لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے
مجنوں میاں ہیں ڈنٹو کی اگلی قطار میں

مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر غیر پر
ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہو لیگا مزار میں

لیلی کے ساربان کے شتر غمزے دیکھئے
مجنوں میاں کے کان ہیں بندھے مہار میں

معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی
وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں

دعوت کے ساتھ ہی مری السلط بھی ہو گئی
بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں آسنے بگھار میں

بیری پہ پیر کھائے وہ ماہرو ہمارا
خیار کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا

ملتا تو مرد تجھ سے تنک بیٹھ مانگتا ہے
ہم سے چپٹا کرانی کیا آج ہمارا

کسطرح سے عبادت اب ہوسکے گی واعظ
دیکھا اسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں
کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی اور دہن میں

جب چار بج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب
کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹنا ٹنن میں

دشمن کے لئے تیار ہے بلی والا
کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا

کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں
توند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر — ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الٰہی
رات دن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے — آپ ہیں پوری بلیٹی یعنی خاصے فول ہیں
کیا قلندر رہ گیا میں کیا مچھندر رہ گیا — ریچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہ گیا
لیکے منڈی سے دیا پورا مجھے انچور کا — عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے — کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو — شب فراق مگر سب غموں کی نانی ہے
ہر اک لچک میں ہے مضمر تال عشق شباب — کھنچی ہوئی ہے سفاک کی کمانی ہے
یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر — کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں وہ نئے ہزار ورد اسکے اوپر اتنا ہی سا — وہ بت بدخو مزار شیخ سے مرید ہو گیا
جب سے دشمن نے پڑھایا مرے پٹیاں اس شوخ کو — سچ تو یہ ہے میں تو بس اسدن سے الو ہو گیا
تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں — تار جیسے اک سیہ اطلس پہ الو ہو گیا
ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا — مرغا ہوں مگر کڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیر زن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر — کوہکن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مر گئی

خیال ان کا رہتا ہے سر پر سوار — اسی... وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں
سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز — تمہیں کو ہم ناشتا جانتے ہیں
ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا — اسے سب مری دوا جانتے ہیں

جو ہم خوشی سے کسیر و سا سر منڈاتے ہیں | تو کس غضب کی وہ آگ جیت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس نادان سے ملتا ہے | نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے۔ مگر تذکرۂ صابر میں ایک عورت کا تخلص سمجھ کر بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم تواں بزور قوت سہراب طاقت کا۔ نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے۔ اس کے تہمتن کے آگے زور آزمایان زورش خانہ طاقت کا سر جھکتا ہے۔ اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے۔ اور یاران ادا فہم اور حریفان ادا شناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفرین شعبدہ ایجاد کا نازو انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ" بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے۔ یہ صاحب دیوان تھے۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے۔ دیوان ناپید ہو گیا۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی۔ چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے۔ جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے۔

سو نہیں ناز نہیں رنج کرتی کسی کا — گیا جب سے یار اور حسرت سے کھوئی

بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے — اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی

خصم جب مرا لونڈیوں کو نڑلایا — کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی

ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت — غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی

لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم — میاں ذوق کو میں ہوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں تذکرۂ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

ناز نہیں اتنا بھی ہرجائی پنا — یہ کھاتے آگیا کیا دھیان میں

روز اک جھگڑے کی ہیں ٹھانیاں — روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونۂ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جوان کا — ہوا ہم عورتوں میں تھا جرا دیدۂ زلیخا کا

میں اپنے سر کو دھوتی ہوں ہوا درد تماشا ہو — مرا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو مجھے ہے کام اپنے کام سے — لے نگوڑے آدمی او تو حیوان ہو گیا

سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا — عورت انھیں بالوں سے ترا گھر نہیں ہوتا

ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر — لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا

میری ناز کھوئی اس موئے نے آکر — اٹھی تھی لے دوا ہی جنت ابھی نہا کر

اے زناخی مرد واسے ہے بدگمان — تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

رات بھر جو وہی بات اور وہی چوما چاٹی — اے دوا ایسے نہ پیچھے پڑا کیا مجھے

فوارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے — تم اک بوند پانی پہ کتنا اچھل گئے

دن گھر تو جھپٹ چکے ہیں کیا تنگ کروں خصم — کس جا بٹھائے دیکھیے آسمان مجھے

نازک۔ دورِ موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب دادِ ظرافت دیجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہانتک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں۔ تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراجِ ترقی پر پہونچ جائیں گے۔

خدا بچائے بوا مردوں کے دیدے سے
کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ نِدیدے

کوساجی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی
سات لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنّو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی
طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی

انگلیاں بھونک کے آنکھوں میں جگایا شب بھر
نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی

میں تو لالوں میں بوا صاف کہدیتی ہوں
منہ سے کہہ لے ہمیں پر نہ دکھائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی لے بنّو
پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیے جاتے ہیں

اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا
جو کا بکس کا پٹ بجانے لگی موئی نیچ

نہ یدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا
اب انڈے دے کے بھی لگا نہ لگی موئی لیچ

بیوڑوں والی پوتوں والی
ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی

دانتوں میں مسی ہاتھوں میں سہرا (انگلیوں)
ماتھے پہ افشاں ہونٹوں پہ لالی

میں نے سب کو سمجھا ہے
سب سے برا میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسی وجہ سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے عرصہ سے چونکہ آپکو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اب اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار میں شائع ہو رہی ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ سے نیاز حاصل ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اُسی نیاز کے حال پر مبذول رہیں۔ گو اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب تقریباً ۵۴ سال ہوگی۔

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو مل جائے گا انعام و خاکا — اس شوخ نے کچھ ہم کو اڑا ہاے ہیں دو شالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے پلٹوا — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ آکر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو اسے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — یہ مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو توالی جائیگی

نکل دل سے جو تیعادی نہیں ہے کوتوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں اغدا — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دسترس پاؤں تو دریاں بھی چٹے پاؤں دبا — مار دوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کرکے پریشان کیا کرتے تھے اُن کے لئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ چسپاں ہو گیا — مو تنا آیا نہیں اور ا ونٹ بوڑھا ہو گیا

ایک مرتبہ نادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اس وقت فلسطین پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں … جز خوبیِ بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روزہا تھ اندھے کے بٹیر … ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بدنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں … ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب … داوی ڈھرتی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے پر لکر بد خو … ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
یہ وجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے … اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جرمنی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں۔

جو گوری سے مانتے کہتے نا ہنجار ا … وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کا
حق کے لئے ناطق سے عداوت ہی ہیں … ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آپ دکھوتا ہے … سچا جھوٹے … روتا ہے
یہ سچ ہے اگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے … شلوار جھوٹے کے منھ میں گو ہوتا ہے

نسبت۔ میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور معروف ریختی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

دل کی خوشی کی خاطر چکھو ڈال مال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آ و قلندر | وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر | ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر

جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں | پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں | سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں

جتنے مزے ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں

توچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بھینا یہ گزرتی نہیں ڈھڈ ہو | اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈ ہو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈ ہو | کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈ ہو

ایسا جو مرے پاس لگے جا تنگی چھاپنو | اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھاپنو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی جاپنو | وہ کون سا دن ہوگا [illegible]

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی وہی آن ڈھلی | آدُ ہڑدمن کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

نگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور رہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو اُن کے احباب نے نگیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کر لیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظرافت غنیمت ہے اور وکم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے

چنانچہ کلام کا نمونۂ انتخاب یہ ہے -

چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی | پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی | قسمت کھو ہے اُسکی شامت کسی کی آئی
جب ایک سا بھی ہم سے مطلب نہیں نکلتا | لے لیجے [illegible] نیاہے مفت سائی

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو — لگ جائیگی پھپھوندی کہتے ہیں جسکو کائی
دشمن کی آگ ابتو دشمن کو پھونکدے گی — اب ہو گئی اُسکی ڈبیہ دیا سلائی
اب تو مزاج دشمن ٹھیلو پہ چل رہا ہے — آگے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی سگائی
الو کے دم قدم کا اغیار میں شرف ہے — چغلی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی
بے شبہ اسے نکیلے تحقیق ہے سلف سے — جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں برائی

پیر مےخانہ نصیبہ سے اگر تو ہو جائے — پے بہ پے پھر تو عدو کا ٹھکانا الو ہو جائے
بات تو جب ہے کہ اک چھو میں نفر ہو جائے — میرے آگے سے عدو نو قدم آہو ہو جائے
دام تزویر اگر زلف پر ید ہو جائے — اس بھنور جال میں پھر الجھی الو ہو جائے

شب وعدہ بہت رویا انیس غم پنہانی — وفور شوق سے خلوت میں گھٹنوں ہو گیا پانی
چکیدن بے محل ہرگز ہے اے ابر نیسانی — نہ ہو لطف صدف میں بوند جیسا لعل بدخشانی
عیاں تھیں ہر مسلماں میں کبھی اسلام کی شانیں — مگر اب تو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمانی
بہت مشکل تمہارا آشنائی کا سمجھ لینا — مگر چالاک دشمن اور کسی کا وقت نادانی
کہیں تذکیر کی تعریف میں پھرتا ہو مستانہ — کہیں تانیث کے پردے میں ہے آوارہ ستانی
شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہماں — کبھی سبزہ بہ سبزہ میں کبھی ہے کشت بریانی
نکیلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہے — تو اب پہنچا پکڑنے کیلئے کافی ہے دربانی

پہنچے والا نہیں منزل کا نئے مسکن میں ہے — خون حسرت گردش ایام سے کترن میں ہے
پیٹ کی خاطر سپاہی سر کٹف پلٹن میں ہے — تان نقشے کے بدولت ہر تک دامن میں ہے
شہسواری کا ہنر چابک سواری کا کمال — صرف اک راز خفی ہو جو نہاں آسن میں ہے

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں کیوں عشاق نور
سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے

شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر
ذائقہ کچھ اور پیگھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے

ہے مری فردِ خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ
عفو کا فرمان نتھی رشتۂ سوزن میں ہے

چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ تکان
جنس ہستی کا ذخیرہ گوشے دامن میں ہے

مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال
جو نکیلے یار کے سنبوسہ بیسن میں ہے

یہ بندر بھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے
نیام طیش میں شمشیر بیداد رہنے دے

چمن میں چار تنکوں سے بنا ہی آشیاں میرا
بچا کر اپنی جھاڑو سے انہیں صیاد رہنے دے

رہے تو جب کبھی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے
نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے

زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا گھاد رہنے دے

مجھے تاڑی کا قطرہ دے اگر دینا ہے اے ساقی
مرے دشمن کو پینے کو تلی میں گاد رہنے دے

اگر جاتا رہا تو پھر کھجانے کا مزہ رخصت
نکر اسکا تدارک اے مسیحا داد رہنے دے

مونج کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے
اس ادا کے بھیس میں کنجڑے کے میرا یار ہے

یہ نہ سمجھیں آپ ہستی تاڑ کی بے کار ہے
یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزلہ مینار ہے

چار میں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے
بے حیا بھی کیسی پکی بے حیا تلوار ہے

یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے

نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے
یہ پرانی چال کا کھٹولہ بھی موٹر کار ہے

پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو میاں
دوستی میں دشمنی کا کون سا ہو وار ہے

یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس
کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے

فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری
[illegible] دامن ایک کا مردار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتھیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکرِ غیر پر — زیرِ دامن اب یہ کس کا تحفۂ کردار ہے

آباد ہے الّو سے ہر قبۂ ویرانہ — ہر کھونٹا نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اسے لغزشِ مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرتِ پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقصِ مسرت میں سر پہ لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل مے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل ایسی جو گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شبِ وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمتِ مردانہ
جسطرح کمینوں سے رونق ہے مکانوں کی — آباد کبھیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بند دل بہت تم دیکھو — گرد گھما نہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جائے
اب طویلے میں نہیں آپ کے ناگن کوئی — آپ کے تھان کا ابتو مرا ٹٹو ہو جائے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوکِ ناز اگر ایسی ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزمِ یار میں دشمن چچا کے ساتھ — بے شرم ہے جلیبیں پڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی ناکہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پاؤں ہوا ہے جو آپ کا — شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو — اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چیں [illegible] اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص [illegible] ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ بہت تریبی سے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے ... مائی ڈیر ایڈیٹر اودھ پنچ - گڈ مارننگ قرآن شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعرا کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الم ترانہم فی کل وادٍ یہیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے - میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی -

غیرت نہیں اس سبب جٹے جاتے ہیں   جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ وزارت وہ رشتے بیٹھے   افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

مزے سے مری یہ گھڑی چل رہی ہے   زباں وقت کی ہے بڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی   یہ تسبیح کوئی بڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانکے   اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو   ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریا یہ بخشا سے پکا پلاؤ   جو کھتے نہ پڑے تو ہمکو بلاؤ
کریا یہ بخشا سے پکے ہیں آم   نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریا یہ بخشا سے پکے ہیں بیر   [illegible] کرو تم نہ دیر
کریا یہ بخشا سے پکی کھجور   بلا [illegible] میں تمکو حضور

کریما بہ بخشاے پکے کباب ۔۔۔ بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب

کریما بہ بخشاے پکے کٹھل ۔۔۔ اسے کھاکے ہوجاؤگے تم اجل

کریما بہ بخشاے پکی ہے دال ۔۔۔ اسے کھاکے ہوجاؤگے کنبہ پال

کریما بہ بخشاے پکی ہے نان ۔۔۔ گئی واسطے جسکے مرغی کی جان

کریما بہ بخشاے ٹوٹی ہے ٹانگ ۔۔۔ گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ

کریما بہ بخشاے ٹوٹے ہیں ہاتھ ۔۔۔ نہ ہمسنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ

کریما بہ بخشاے پھوٹی ہے آنکھ ۔۔۔ لے رکھکے روٹی پہ آلو کی پھانک

کریما بہ بخشاے ٹوٹا ہے سر ۔۔۔ کوئی آکے لے جلد میری خبر

کریما بہ بخشاے دھوتی پھٹی ۔۔۔ مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

ندارم غیر از تو فریاد رس ۔۔۔ مزا آے ٹپکے جو گنے کا رس

نگہدار مارا ز راہ خطا ۔۔۔ کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا

زباں تا بود در دہاں جاے گیر ۔۔۔ کھلایا کرو مجھکو روٹی پنیر

حبیب خدا اشرف انبیا ۔۔۔ پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا

سوار جہان گیر یکران براق ۔۔۔ کھلادو مجھے ایک روشن طباق

چہل سال عمر عزیزت گزشت ۔۔۔ بری ہے تری ابتلک سرگزشت

ہمہ با ہواو ہوس ساختی ۔۔۔ ہمیشہ نظر تاکتی تھا نکھی

مکن تکیہ بر عمر ناپایدار ۔۔۔ پہن کوٹ پتلون پھینک اب ازار

دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم ۔۔۔ نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو اتا آیا ۔۔۔ سر پہ احسان بڑا ہے ٹانگی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا | پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں سٹری | چھوڑ دو پیچھا نہ تم سڈائی کا
ترشروئی نہیں ترے منھ پر | ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سا میری ہیلی ہے | گھٹا چھائی ہے رحمت کی ہوا اللہ بیلی ہے
شعر لکھتا ہوں مگر ملتی نہیں کوڑی کوئی | لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دھیلی کوئی
پائی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی | مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چا۔ باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ و شام | کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر | از حضر رخت بست سوے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت | باز سوے مکان خویش شتافت
چند گہ راہ بادیہ پیمود | تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے | کہ درو بود یخنی و نانے
چوں بخوردن نشستن آں سرمرد | عربے در رسید بادیہ گرد
بدوی چوں شنید بوے طعام | پیش رفت و ستادہ کردہ سلام
داد اورا جواب و گفت کہ | پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سرائے توام | دشت پیماے از برائے توام

گفت از قبیل من خبر داری — بدوی در جواب گفت آری
گفت چون ست احمد آن پسرم — که ز هجرش کباب شد جگرم
گفت از فضل و رحمت یزدان — باغ حسن ست خرم و خندان
گفت چون ست مادر احمد — گفت صد چون برابر احمد
گفت چون ست قصر و ایوانم — کز غمش بر فلاک شد افغانم
گفت آن قصر دلکش و ایوان — داغ رشکے ست بر دل کیوان
گفت چون است آن سگ درمن — که بود پر ز شیر نر به من
گفت او خاک آستانه تست — روز و شب پاسبان خانه تست
گفت آن بارکش شتر چون است — کز غمش دامنم چو جیحون است
گفت با وے که فربه است چنان — که مساوی است پشت با کوهان
چون عرب قصه را شنید تمام — با دل جمع کرد میل طعام
خورد چندان که سیر گشت از آن — بدوی را نه داد و بست انبان
بدوی چون خساست او دید — بر خود از درد جوع مے پیچید
ناگهان دید کز کناره دشت — آهوے در رسید و تند گذشت
بدوی چون بدید آهو را — از دل خسته جست آه او را
چون عرب آه دردناک شنود — گفت با وے که آه بهر چه بود
گفت ازین بود کان سگ دستو — گر نمی گشت صدقهٔ سر تو
آهوک را نمی گذاشت کنون — که ازین دشت جان برد بیرون
گفت اے وائے آن سگک چون مرد — گفت از آنکه خون اشتر خورد
گفت خون شتر که ریخت بگو — خاک بر فرق من که بیخت بگو
گفت کشتند اشتر سره ات — که دهند آب آتش همشره ات
گفت اے وائے زوجه ام چون مرد — رخت هستی چسان بخاک سپرد

گفت ازبسکہ کوفت سر بزمیں | از غم فوت احمد مسکیں
گفت اے وائے چوں گزشت احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید | خاک برسر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ خیل خویش گرفت | بددی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نا۔ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جاے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہوا ور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینہ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

یہ ہے —

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لیمپ گرٹ کیک توس — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
منچلوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے — دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اس کا اور اس کا پاؤں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب اک لڑکا ہو گئے

اے بی جو نہ کہتے ہیں بی بی کہیے — دائی جو نہ کہتے ہیں دیکی کہیے
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ ہرج نہیں — نکشائی نہ کہیے نکلی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ — عطر شرما گیا لانڈر سے

یہی اچھے برے ہر حکم انجام دیتا ہے
اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب حبیب کر
جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو نحیف اس کو ضرورت دوا کی ہے
شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر
مرغی کڑک ہے مرغ ابھی ہے کریز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے
عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے
عقد پورے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو
مل گئی اچھی پلوسی مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بند ہو گئی
سر نرالے طور سے ڈھا نکا گیا

---

come

کیونکر نبھے گی شیخ سے لیڈی کی رسم وراہ
موٹا سلہ ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت نوجداری
پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کیا دوستی بڑھائیں آپس کیا بنائیں
ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل ہیں
بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل ہیں
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں
وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل ہیں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں ۔ برائی بدشگونی کے لیے کٹواؤ ناک اپنی

بڑے دن میں پکھاکر لیڈی کے ساتھ سوتے ہیں ؎ جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا ؎ عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس شیریں دہن کی گفتگو ؎ مجھکو انگریزی مٹھائی ہوگئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب ؎ اپنی بی بی تک پرائی ہوگئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ ؎ وہ ضعیفی میں ملائی ہوگئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا۔ مشہد کے رہنے والے تھے۔ غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے۔ اکثر شاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی۔ نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے۔ مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آگئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب وغریب بنادیا تھا۔ اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے۔ صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دندان توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے۔ مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہوگیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں۔

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں ؎ کنند لوح مزارم نہ ہر دو دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو نیم ؎ بہ یکدگر نرسد گر بلب رسد جانم

حرف واو

واحی - مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع
غازی پور کے رہنے والے تھے - آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات و رشتہ
داری کی وجہ سے خود بھی دہر قریور تحصیل زنینہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت
بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے - شعر و شاعری کا عداثت
سن ہی سے شوق تھا - مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا - واہی
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے - کچھ عرصہ تک یہ شغل اسی
تخلص کے ساتھ جاری رہا - اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے
اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل
سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اسکا
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے - مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں
دلی کے مشہور و معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ
تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا - یہ ممکن ہی
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے - جامع مسجد - ہمایوں
کا مقبرہ - قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے
بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے - چنانچہ واہی
جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اسکے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے - اور اپنا کلام سنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سناؤ ضرور سناؤ - انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سنایا مرزا نے تخلص سنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی - تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہوگا - لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ اب واحی تخلص رکھو - حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سن چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذر دل سے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی اس فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جس میں ظرافت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کر لیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لیے تجھ کا چاہیے　　رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد و رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر تحفۃً کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہو گیا - واحی نے کافی عمر پا کر ۱۹۲۱ء میں بمقام مظہر پور انتقال کیا - آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ ابتدائی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میرا وہی رقیب ہے بھوا کہیں جسے　　ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں سے
آئے طوفان جو وہ بت یہ تسلسل موتے　　ساری دنیا ہو تہ آب اگر کل موتے
واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے　　دہن تنگ ہے ناک تک ٹھہری کٹ تک گردن آئی
بل دکھائیں جو کبھی آپ کے گیسوے دراز　　سانپ دہشت سے لگے خوف سے سنبل موتے
غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا　　کیوں نہ حیرت ہو مجھے جب بی کا کل موتے
ہے یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے　　بادہ پی پی کے جو واحی بہ تامل موتے
قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے　　کیا قیامت ہے کہ اس پر بہ تجاہل موتے

گڑ نا گڑا رہی ہے چماری جو ناک پر — تحریر ہو رہی ہے یہ تقدیر ناک میں
مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے — ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں
واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح — دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ لبسواں ضلع سیتا پور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسی وجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہوگئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کرمنل کوٹ سے بہتر کوئی کٹھیری ہی نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی ناڑے — مستقل وارڈ میں جنکے لئے فادر ہی نہیں
پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سلاکٹ — ان جٹری بی کو کبھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

وجود۔ سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزلی گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقراں تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستانِ سخن میں ملتا ہے۔

رکز نے جرف میں جب جھکایا بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے سنہ ۱۹۰۲ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لغویات سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ وہی رہا۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۳ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بمقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی استقلالاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ اشغال علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے - میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور اُن اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم و جاہت میں لکھے ہیں - نمونۂ کلام

واعظ اور سرسیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الٰہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دلیس سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلہ — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا

چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو منکر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زباں سے دن کو تو قوم قوم — سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم

کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

بتری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہان سے تو نے نکالا انیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا مزاج — اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں اک زندگی بسر — کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
ہر سو نئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام دیگاہ کا

حجرے نہیں مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر	یونہی خشک آب وضو سے ہوا نہ تر
سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر	یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی	چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی
ہوٹل میں جائیں سیر کریں کافی شاپ کی	دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں	میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں
دلدار و دلستان و دلآرام و دلنشیں	نوخیز جامہ زیب گل اندام نازنیں
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سہیلیوں کا واسطا	اندر کبھی اکھاڑے میں آئے نہ پھر ذرا
اس پہ تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا	رک گئے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا
دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام	افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام
پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام	اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں	پیرو دین مسلمانی ہوں میں
دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی	صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام / معتکف یا قطب ربانی ہوں میں

آگیا ننانوے کے پھیر میں / حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں

نفس امارہ کا دشمن بن گیا / یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں

کیوں نہ درد قوم کا دورہ اٹھے / غمگسار نوع انسانی ہوں میں

ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار / افراد مکر کا بانی ہوں میں

یہ مری ریش مقدس واہ واہ / خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں

کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ / اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں

اے وجاہت ہے یہ سرا اصل آل / سچ یہ ہے ننگ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یوریشین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدر النسا سے / کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری

نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے / پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری

سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں / خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری

بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا / لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری

وہی کرتی انگیا وہی بند محرم / چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری

لڑائی میں بڑھ کر ہو بھٹیاریوں سے / چلاتی ہو بیڈھب چھری اور کٹاری

نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا / نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری

ہو پردہ کے زندان میں تم مقید / تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری

مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں / یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری

تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے / پڑے بھاڑ چولھے میں یہ نیمداری

کہا سن کے بی بی نے لے میم صاحب / بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے | بہت تم نے بڑھ بڑھ کے فقرے بگھاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر | بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم | تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاند ماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں | جھجکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور ہند گاڑی سے نفرت | پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہن کر | کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا | نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی | بیاہی ہے مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں | نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا | بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا | حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انہیں کے لیے بے حجابی | ہے شایاں ہمارے لیے پردہ داری
نہیں ملک میں رعب داب اپنا کچھ بھی | حکومت سے چھنتی ہیں باتیں ہماری
مبارک انہیں مغربی پورٹ منٹو | ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا | کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گرے اس میں عشاق کے دل بہت | ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میر ساماں ہیں میکدے کے شیخ | ان کے گھر کی دکان ہے گویا
خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں | یہ حسینوں کی کان ہے گویا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے | یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل — ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ — وقت دیکھا نہیں جوانی کا
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں — تیر چکس دو ذرا کمانی کا
قیس دیوانگی کی حالت میں — راجہ تھا بن کی راجدھانی کا
سوت کرتی ہے چار روز خانے چیت — ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آ نہ سکا ڈر کے ہٹ گیا — بزدل نہیں تھا بزعقلکہ یوں صفا کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا — اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھدیا — کچھ غم نہیں ہے خط جو اٹھیں کے ٹکٹ گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح ق — یہ جانتے تھے اسکا لب اب یاپ کٹ گیا
لیکن وہ دم چراے پڑا تھا زمین پہ — رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ — سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں — وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا — کوچۂ یار شفاخانہ ہے بیمار دل کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار — ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا ہمارے دل کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو میرے خون سے — توسن عمر رواں بنجاے دلدل کا جواب
ہے خم محراب ابروے صنم کیا خوشنما — بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ — بہ ہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے گل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمیں پہ نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا دولہا کے منہ پہ لگتی ہے آکر دلہن کی شاخ

رند چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس سے کیا حاصل اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے مے آشاموں کی صحبت بھی ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج کہ باندھے پر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل وہ اسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھول کر کبھی میں ان کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ تم حسن کی کچہری کے صدر الصدر ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کچھ مے کی مذمت سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے موذن بھی اذاں آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تنے　　قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر تنا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں　　عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت　　پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہے بس دم کی پچی جاں نثار　　ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے　　مصحف جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری　　سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی　　رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ　　پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں　　وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا　　ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اک دن　　سگ لیلی کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام　　چاق چوبند یہ بچھیرا ہے

حواس ان کے جاتے رہے صبح وصل　　مزے کھڑی کی پھلپھڑی رہ گئی

جلے دل جگر جان جلنے کو ہے　　یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی

نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں　　وجاہت ہی کی جھونپڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہ ناز سے　　لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہنسے کو سے دلربا کے سامنے　　تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

[illegible]

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعرا میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور ان سے رات میلے میں　　میں کہتا تھا نہیں چل اور وہ کہتے تھے اکیلے میں

کہا میں نے کہ اک بوسہ کف پا کا مجھے دیدو　　لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کٹ پا کا

وصل - مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مائل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا تک جو آغوش میں میں تو بولا　　اسے چھوڑ کب تک ستاتا رہے گا

ہاتھ میں ہاتھ لیے غیروں کا پھرتے ہو　　ہم جو دامن پکڑیں تو آپ جھٹک جاتے ہیں

وصل کی شب بیرا آگیا پر اگر ہو دسترس ؎ میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں ۔ نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں

نئی تعلیم پاکر کالجوں سے جو نکلتے ہیں ۔ صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں

بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں ۔ زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں

چرٹ منہ میں تو سر پر ہیٹ کی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر ۔ چڑھا کر آنکھوں پہ عینک نظر برباد کرتے ہیں

اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی ۔ تو ہنسکر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں

کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے ۔ پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں

ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو ۔ فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں

یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں ۔ تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں

پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انہیں کوئی ۔ برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے ۔ کہ شاعر ہی زمین شعر کو آباد کرتے ہیں

حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں ۔ اگر باپ کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں

بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن ۔ بھلا کیوں ناولوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

یہ جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے ۔ اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے کہ ان کو تو یہ ہر دم فضول کہکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُنسے ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۹۹ سنہ ہجری میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے سنہ ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل ہر کیا کہے گا
رضا گر مجھکو دیتے ہی کروں گی گھر میں جا وارد

مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جا ونگی چھوڑ
اگر مجھ ہو دیگی فرصت صبح پھر آونگی چھوڑ

ہاے واے۔ تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں - جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا - جس کسی کو خبر ہوئی - سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی - ادنیں اکثر تہذیب کے درجے سے بھی گر گئیں - مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت - استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے - اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی - سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب بے تعداد ہیں بے شمار ہیں - اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی - اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہائے واے تخلص پسند کیا ہے - تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶ - مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے - ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو - مگر مجھکو صرف یہی ملا - جو مع نثر نقل کرتا ہوں -

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں - کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہونگے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے - یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے - اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے - علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی شغلہ ہے - اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر کبھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے - ہاں خوب

یاد آیا۔ عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں۔ بلکہ شادی میں۔ کب جب میں بنا تھا۔ بلنے سے یہ نہ خیال فرمایئے گا بنا بنا تھا۔ بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا۔ الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا۔ یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا۔ لوگوں کی شراشری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں۔ ہاں اور سنیئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے۔ لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اس وجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری ٹپہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے۔ پس بندہ بھی قید شاعری کو سلام کرکے نوحہ حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے۔ اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع نو گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے۔

روتا ہوں بھئی روتا ہوں

دیکھیے داغ امیر و داغ ملے ہائے امیر وائے داغ	دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ
کس کو غزل سنایئے داد کہاں سے لیجئے	روئیے اور رولائیے ہائے امیر وائے داغ
کرتی ہیں رنڈیاں بھی بین چوک میں اک ہے شور و شین	غل ہے بجائے یا حسین ہائے امیر وائے داغ
کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے	کہتا ہے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ
وہ جو ہمیں سنائیں گے ہم بھی وہ کن ہی جائیں گے	مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ
ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے	غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ
بسکہ مرض نہ تھا لا دوا ہونا تھا جو وہی ہوا	دابا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ روئداد ہے اور نہ غزل ہی باقی ہے
رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر وائے داغ

غم سے جو آپ میں نہ آئے سال وفات کیا کہے
کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے امیر وائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم حضوری رہ گئی
کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی

میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا کیا جان پر
ہائے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی

یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا
میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی

مجھسے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات
سال تاریخ مسیحی سے جو دوری رہ گئی

یہ کتر کے لے گئے داغ اور از روے قلق
شاعری ہندوستاں میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرو تخلص صابر تھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا جسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدر دان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف نکتوں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شایع ہوتے رہے ۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات اور رسائل میں آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوے اور پبلک نے مخصوص قدردانی کے ساتھ ان کو پڑھا ۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا ۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے ۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے ۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا ۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا ۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا ۔ یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں ۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا　　کہ ہم تم اسیر کمند ہوا

مزا کرکرا ہو گیا دے چرس　　نداریم غیر از تو فریاد رس

خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست　　وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست

مدک چوں مس قلب را کیمیاست　　کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست

جو تو چانڈو بازی کرے اختیار　　شود خلق دنیا ترا دوستدار

یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں　　نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

کمر خم ہوئی رہ گیا مغز و پوست　　تواضع ز گردن فرازاں نکوست

مدک کش لگالے اگر دم سنبھل　　نہ بر سوز او شعلہ در آب و گل

ادہر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم　　کہ ناگہ شود سر لبریز کاسہ ہم

جو افیوں پیئے سب وہی آدمی　　نہ زینسان نہ مردم بجز مردمی

میاں تجھ سے سیکھی ہے آٹھوں پہر　　بغفلت مبر عمر در دست بسر

تجبر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک قومی انفاق کے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ شرف قبول حاصل کیا ۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے
زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منھ دھونے والے
خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے
جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے
نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمہیں باخدا تھے
بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے
بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک
یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک
یہ بینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخر ش چاہ کن کو

ہدایت تھا خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام بیجھیا ہو ۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعروشاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے ۔ شدہ [illegible] ون
تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو ۔ ا [illegible] پناہ
نے کہا کہ اگر شاعر ہیںتو سکندر نامہ نظامی کے وزن [illegible] بے معنی
کہکر ہمکو سناؤ ۔ انہوں نے کہاکہ حضور پانچ سات [illegible] خمسہ
نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں ۔ [illegible] بت
مشکل ہے ۔ انھوں نے کہاکہ اگرچہ مشکل ہے مگر [illegible] سانی
کے ساتھ اس فرض کوادا کرسکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں ۔ بادشاہ نے ہدایت
کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کرلی کہ
اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا ۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت
توڑ دیا جائے گا ۔ ہدایت نے اقرار کرلیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہملہ
کہکر نذر گذرانا ۔ تمام خمسہ میں تین شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق
تین دانت اکھڑوا دئے گئے ۔ اور بقیہ اشعار کے صلہ میں وعدہ عطائے یک
عباسی فی شعر پورا کردیا ۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامۂ مہمل کے تین شعر یہ ہیں ۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن — بجز پینہ بر نعل آہو مزن
بر غم ملک ترکتازی مکن — بآہنگ ما ہیچ بازی مکن
کہ نعل از تبسم مربا شود — بصبر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

شاش مرد عاے گوز مکن — رخنہ در ہر جوال دوز مکن
دم بخیر طوم زندہ پیل مزن — سائباں بر سر خلیل مزن

—— ختم ——

نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سرو رپائے خفاش	مکن چوں سرمہ داں جائے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد	کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہداں است	کہ ایں ناداں جائے عاشقاں است

ہدہد ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اور پورب وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آ کر رہے۔ اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا ہنر تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھئے یا شامت اعمال کہئے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ اُدھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں اُن معانی اور مطالب کی بھنک پڑ گئی جو سیانجی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آ گیا۔ جو مطالب سنا عجیب و غریب۔ جونہی کان تک پہونچے اڑ گئے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آ گئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہکر چلے گئے۔ اُدھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنا دیئے۔ دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں
باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دو سوال میں بول گئے۔ پس پھر کیا تھا۔ ان کو
ایک چیز ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری
کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب
ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے لے چلیں۔
انہوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی
دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھرے کا کھرا غزل
کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران
تھی انہیں کچھ اپنا تصرف کر کے بالکل دیوار قہقہہ بنا دی۔ آئے دن مشاعرے
ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد
تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ یعنی نوکدار ڈاڑھی۔
گھٹا ہوا سر۔ اس پر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو
ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انہوں نے
جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انہوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انہوں
نے منظور فرما لیا۔ انہوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کر کے موجودہ
تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ
ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب
تک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر
نہ دیکھا تھا۔ چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی
تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہنچے۔ اور جہاں پناہ
کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کرلوں — تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کردوں
جو آ کے زیر کرے میرے آگے موسیقار — تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کردوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر — تو اسکے نوچ کے پر شکل نیولا کردوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لیے — فلک سے ہے مقدر میں باجرا کردوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہوگئے۔ اور فوراً طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگے کے لئے مقرر کردیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں وہی ٹھاٹ ہوگئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہوگیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندوبست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کردی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہہ کسکے آگے روئے — کس سے جا کے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے
تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار — ہیں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں پو لئے
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئے عمر — کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے بولئے
سنگلاخ ایسی زمیں ہے دیکھو ایدل تا کجا — فکر کیجئے صرف آہیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتہ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز — یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں میں موتیے
دیجے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے — ماتا پھرتا ہے ہدہد ٹاپک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہوگئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کرکے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔
راجہ دیبی سنگھ خاندانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے ۔۔۔ خدا کا فضل ہے جو قلعہ میں تو آپ راجا ہے
سلیماں نے ہی تیرے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی ۔۔۔ تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا راجا ہے
شکم اہل جہاں کے سب ہی شکرانے بجا لاتے ۔۔۔ دمامہ تیرا جا کر گنبد گردوں پہ باجا ہے
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا ۔۔۔ مگر ہدہد کو دیدے کیوں کہ ہدہد کا کھاجا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے ۔۔۔ انداز ہے اک نیا نکالا سب سے
سر دفتر لشکر سلیماں سمجھے یہ ۔۔۔ اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راستہ آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے ۔۔۔ تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا ۔۔۔ غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دل لگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر ایسے بھی رکھدیتے تھے جنمیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پہ چوٹیں کیجاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح سے شمہ مضراب نہیں

غالب مرحوم خود ایک ظریف اور دریا دل آدمی تھے ان پران باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو بازی گاہ بنا دیا۔ مگر قبول خاطر و لطف سخن خدا داد ست۔ بیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہدہد نے جو اسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر شیر کا داوا ہے　　مقابل تیرے کیا ہو تو الو کی بھی مادہ ہے
گر اب کے باز ہی میدان میں آئی سامنے ہدہد　　تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی پکا ارادہ ہے
مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے　　ہوا معلوم یہ اس سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے
او بے ادب ابتک نہیں سمجھا خبر اسکی　　کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا شہزادہ ہے

جب وہ دو چوٹیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑ چھو ہو گیا۔ اور ہدہد نے پالا جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہدہد کے مقابلہ کو ایک کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہدہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں وہ بھی نفرو ہو گیا اسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جون آیا ہے عدو اپنے بدل کوے کی　　اسکی ہے پاؤں سے تا سر وہی خو کوے کی
دیکھا کاں کاں وہی کہیں وہی بیٹرا اسکی　　بات چھوڑی نہیں ہاں اک سر مو کوے کی
پہلے جانا تھا یہی سب کہ کوا ہوگا　　پھر جو معلوم کیا ہے یہ ہے بو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اسے ہدہد شاہ
دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں اک کیسے کی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے
مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے
وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادہر اُدھر سے
بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

حبیب - عبدالکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں۔
زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعرا میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف
ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں۔

ہم جو کم سے ہے عیاش فیض تنگدستی ہے   ورنہ ..... واے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں
بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ
گو تھے۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم
دیوان ان سے یادگار رہے۔ مگر ناپید ہے اسی لیئے ان کی ظرافت کے پورے پورے
نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتاً درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ
سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور
شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بامید انعام ایک قصیدہ
کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بد تر ز تیر حرامی   سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ
ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے ۔۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف
اے منجم حبِ فنا فی الفرج تو ہو جائیگا

خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی
اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے بنا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار- محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے- مگر چونکہ بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا- اسی وجہ سے اوائل عمر سے یہیں رہتے رہے- اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی ہوگیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے- ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں- کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُسوقت یار تخلص کرتے ہیں- نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی- چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں-

جوان کو چکھتا ہے کہتا ہے انگور وہ شیریں — لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑینگے مجھکو وہ اکدن اے یار — میں دُبلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

اداؤں کی دونالی سے وہ سبکو قتل کرتے ہیں — نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی ٹھینگے سے — مرے حصہ میں بھی ہے ترے حصہ میں کونچہ ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا — بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اُٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے — بڑا بندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا — موت کی دھار میں بہتا ہوا ایسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھا دیکھا — کیا کہیں ہم کہ شب وصل ہمیں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائرِ دل کی ہے نشانی اے یار — ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ یہ الو ہو کر

خانہ بر دوش اسے کہتے ہیں اے زلف دوتا — اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار — ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلی کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا — آپ سمجھا لیجئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینانِ جہاں ہیں مالکانِ نقد دل — انسے بیشک ٹیکس لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن - ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا - یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کنیز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی صحبت سے اس قدر متنفر تھی کہ اس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی - اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی - چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا -

دختر رز سے رات صحبت تھی — شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

بل ۔ عبد القادر نام تھا ۔ دہلی کا رہنے والا ۔ اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص سے لڑا ۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لئے اسپر غالب آیا ۔ اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اسپر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑکر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا ۔ چند یہ ہیں ۔

[illegible] رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے ۔۔۔ ہرگز نہیں ہے یار بھی کم اس دبنگ سے

[illegible] بل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے ۔۔۔ مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے

[illegible] دیا ہے مزا خط سبز نے ۔۔۔ ساقی نے پشت دی ہے صافی کو بنگ سے

[illegible] دوستو کہیں آتی ہیں گر نظر ۔۔۔ واں ہم بھی جا دھمکتے ہیں دلگی امنگ سے

[illegible] نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا ۔۔۔ یاری تو تم نے کی ہے پر اس شوخ و شنگ سے

مطبوعہ نگار مشین پریس

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ باہتمام نیاز فتحپوری

ملنے کا پتہ صرف "نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ"